داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات:360، قیمت475روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
صفحات 321، قیمت 425روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
صفحات 331، قیمت 425روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
صفحات 394، قیمت 485روپے

حصہ پنجم سُورۃ مَریَم تا سُورۃ السَّجدۃ
صفحات 480، قیمت 575روپے

حصہ ششم سُورۃ الاحزاب تا سُورۃ الحجرات
صفحات 484، قیمت 590روپے

حصہ ہفتم سُورۃ قٓ تا سُورۃ النّاس
صفحات 560، قیمت 650روپے

یکے از مطبوعات: انجمن خُدام القرآن خیبر بختونخوا، پشاور

شائع کردہ: مکتبہ خُدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور فون 3-35869501(042)

جُمادی الاُولیٰ ۱۴۳۸ھ

فروری ۲۰۱۷ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- اِصلاحِ مُعاشرہ کا قرآنی تصوّر
  بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
- غیبت کی حُرمت وشناعت اور علاج
  جمیل الرحمٰن عباسی

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

جلد : 66

شمارہ : 2

جُمادی الاُولیٰ 1438ھ

فروری 2017ء

فی شمارہ 30/-

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مُدیر

حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت وبنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- **عرضِ احوال** — 5
  - اصل مسئلہ: درست سمت کا تعین — ادارہ
- **بیانُ القُرآن** — 9
  - سورۃ القصص (آیات ۲۹ تا ۵۹) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **تعمیرِ سیرت و کردار** — 26
  - اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصور (۴) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **انوارِ ھدایت** — 46
  - شکر کا مفہوم اور اس کی وسعت — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
- **تذکیر و موعظت** — 51
  - بخل: روحانی بالیدگی میں رکاوٹ — حافظ محمد مشتاق ربانی
- **حسنِ معاشرت** — 55
  - غیبت کی حرمت و شناعت اور علاج (۲) — جمیل الرحمٰن عباسی
- **نقد و نظر** — 77
  - جناب جاوید غامدی اور جماعت احمدیہ لاہور مخمصے میں — شکیل عثمانی
- **یادِ رفتگاں** — 87
  - حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۱۱) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

❁ ❁ ❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اصل مسئلہ: درست سمت کا تعیّن

ایک بار پھر توہین رسالت کے قانون سے چھیڑ چھاڑ کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ وزیراعظم صاحب نے چند دن قبل جو فرمایا تھا کہ لبرل اور پروگریسیو پاکستان کی منزل بہت قریب ہے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ ابھی کوئی کسر باقی ہے جس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ نبی مکرم ﷺ سے محبت اور عقیدت ہی وہ واحد سرمایہ ہے جو مسلمانوں کے پاس رہ گیا ہے۔ ورنہ آپ ﷺ کے لائے ہوئی نظامِ عدلِ اجتماعی کا جو تھوڑا بہت عکس خلافت نام کے ادارے کی صورت میں موجود تھا اسے ایک صدی ہوئی مٹا دیا گیا اور اب تک مسلمانوں کے دلوں سے اس ادارے کا تقدس' اہمیت اور ضرورت کا احساس محو بھی ہو چکا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کا جو تھوڑا بہت اثر مسلمانوں کی زندگیوں میں موجود تھا' اسے بھی تعلیمی نصاب سے کھرچ کھرچ کر ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ تہذیب و اخلاق کا جو دائرہ معاشرتی زندگی سے سمٹ کر کہیں کہیں انفرادی زندگیوں میں اٹکا رہ گیا تھا اور جس کے باعث اشرف المخلوقات کا بھرم ابھی قائم تھا' اسے بھی مغربی میڈیائی لہروں کی نذر کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ڈارونی انسان اور مسلمانوں میں کچھ زیادہ فرق نہ رہا۔ تاہم حرمتِ رسول ﷺ ایمان کا وہ واحد ذریعہ تھا جس کے لیے آج کا بے عمل مسلمان بھی اپنی جان تک قربان کر سکتا تھا اور یہی واحد نشانِ امتیاز رہ گیا تھا جو مسلمان کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتا ہے' مگر اس امتیاز اور اس فرق کو بھی مٹانے کے لیے عالمی طاقتیں گویا کمر کس چکی ہیں اور ان کے زیر اثر ہمارے حکمران بھی اب سمجھنے لگے ہیں کہ جب تک توہین رسالت کے قانون میں ترمیم نہیں کر لی جاتی لبرل اور پروگریسیو پاکستان کی منزل حاصل نہیں ہو سکتی۔

گویا پروگریسیو پاکستان کے راستے کے جتنے سنگ میل تھے وہ سب طے ہو چکے۔ نظریۂ پاکستان سے متصادم اور بالکل متضاد راہ اختیار کرتے ہوئے ہم پاکستان کی منزل لبرل اور پروگریسیو قرار دے چکے' بلکہ نظریۂ پاکستان پیش کرنے والوں کو سزا کے طور پر فراموش کر چکے۔ ہوتا تھا نام کبھی اقبال کا مگر اب کتابوں میں نہ ملے گا۔ ان کے دوقومی نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے ہم کہیں ہولی کے رنگوں میں رنگنے کی خواہش اور کہیں باقاعدہ ہولی و دیوالی میں شرکت کر چکے۔ یہی

نہیں بلکہ باقاعدہ شیوا مندر میں جا کر ''شیوالنگ'' کی پوجا پاٹ کے ذریعے اس پر مہرِ تصدیق بھی ثبت کر چکے۔ ہمارے راہبر و راہنما ہندو' مسلم' سکھ' عیسائی ایک ہونے کے جانفزا مژدے بھی سنا چکے۔ ہندو اور مسلمانوں کا رہن سہن' کلچر' تہذیب ایک' فرق صرف ایک لکیر کو قرار دے چکے۔ کوئی مسلمان ہندو ہو جائے اس پر تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں' لیکن ہندو کے مسلمان ہونے پر پابندی کا بل اسمبلی سے پاس کروانے کی حتی الوسع کوشش کر چکے۔ اگرچہ عوامی ردّعمل اور خاص طور پر مرحوم گورنر سعید الزمان صدیقی کی حب الوطنی اور مذہبی لگاؤ کی بدولت یہ کوشش ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکی' تاہم اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ایجنڈا بدل چکا ہے۔

ادھر ہم خود کو لبرل ثابت کرنے کے لیے اقلیتوں کی محبت میں دین کو بھی تج رہے ہیں اور اُدھر بھارت سے آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی تازہ رپورٹ یہ ہے کہ بھارت میں حکمران جماعت بی جے پی کے رکن پارلیمنٹ یوگی ادتیہ ناتھ کی سرپرستی میں ''ہندو یووا وہنی'' نامی گروپ مسلمان لڑکیوں کو اغوا کر کے اور زبردستی ان کا مذہب تبدیل کر کے ہندو لڑکوں کے ساتھ زبردستی نکاح کروا رہا ہے۔ اتر پردیش کے وزیراعلیٰ اکھلیش یادو کو پیش کی گئی اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ صرف اتر پردیش کے ایک ضلع میں ۲۰۱۴ء سے لے کر اکتوبر ۲۰۱۶ء تک مسلمان لڑکیوں کے اغوا اور لاپتہ ہونے کے ۳۸۹ کیس رپورٹ ہوئے۔ جبکہ دوسری طرف لبرل ازم کے عشق نے ہمیں اتنا اندھا' گونگا اور بہرا بنا دیا ہے کہ کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ اسی لبرل پاکستان کے لیے ہم مردوں کو کڑے پہنانے اور گھر کے تقدس کو چوک چوراہوں میں پامال کرنے والے قوانین بھی بنا چکے۔ لبرل پاکستان کی ایک نشانی کے طور ختم نبوت اور حرمت رسول ﷺ میں نقب لگانے کی جسارت کرنے والے قادیانیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے قائداعظم یونیورسٹی کے سینٹر فار فزکس کو ڈاکٹر عبدالسلام کے نام سے منسوب کر چکے اور اب لبرل پاکستان کے آخری سنگ میل کے طور پر توہین رسالت کے قانون میں ترمیم ہماری منتظر ہے۔

موجودہ حالات میں' جب کہ عالمی طاقتیں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کی خاطر مسلم ممالک میں انتشار کی کیفیت پیدا کر کے مسلم ورلڈ کی ہر طاقت کو کچلنے کے درپے ہیں' ضرورت تو اس بات کی تھی کہ ہمارے حکمران اور سیاستدان ایک واضح سمت کا تعین کر کے اس کے مطابق ایسی پالیسیاں ترتیب دیتے جس سے وہ عوام کی حمایت حاصل کر کے اندرونی انتشار و خلفشار سے بھی بچ جاتے اور بیرونی خطروں سے نمٹنے کے لیے انہیں عوام کی طاقت بھی حاصل ہوتی۔ لیکن بجائے اس کے ہمارے حکمران اور سیاستدان ہر وہ کام کر رہے ہیں جس سے عوام میں ان کے خلاف نفرت اور اشتعال میں اضافہ ہو۔ یہ کیسی عجیب منطق اور مضحکہ خیز انداز ہے کہ ملکی استحکام اور امن و امان کے

حصول کے نام پر ایسی پالیسیاں بنائی جارہی ہیں اور ایسے اقدامات کیے جارہے ہیں جن کا استحکام اور امن وامان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ اگر دیکھا جائے تو مسلم دنیا میں ایسی ہی پالیسیاں اور اقدامات انتشار وخلفشار کا باعث ہیں۔ جنرل سیسی سے لے کر جنرل مشرف تک اور کرنل قذافی سے لے کر بشارالاسد تک سب نے ایسی ہی پالیسیوں کے ذریعے مسلم ممالک کے امن وسکون کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ مشرف نے بھی ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ استحکامِ پاکستان کے لیے لگایا تھا مگر اس کی روشن خیالی کے نام پر اپنائی گئی پالیسیاں پاکستان کے امن واستحکام کو اژدھا بن کر نگل گئیں۔

حقیقت میں ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں کا سب سے بڑا مسئلہ کرسیٔ اقتدار ہے' جس کے لیے یہ اس حد تک بھی جاسکتے ہیں کہ ایک مسلمان جس کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ورنہ انہیں بھی خوب معلوم ہے کہ صحیح سمت کا تعین ہی تابناک منزل تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ ایک ایسے شخص کو منزل کیسے نصیب ہوسکتی ہے جس کا سفر منزل کی متضاد سمت میں جاری ہو؟ پاکستان جس نظریے کی بنیاد پر بنا تھا اس کی منزل اسلام تھی۔ اگر اس سمت میں سفر طے کیا جاتا تو ملک میں امن واستحکام بھی آجاتا اور حکمرانوں کے اقتدار کو بھی کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ لیکن ہمارے لیڈرز اسلام کی بجائے لبرل ازم اور سیکولرازم کے راستے پر چل کر سمجھتے ہیں کہ وہ منزل کو پالیں گے۔ یہ نہ صرف اپنے اقتدار اور مفادات کی خاطر ملک' قوم اور ملت کے مستقبل اور مقدر سے کھیل رہے ہیں بلکہ خود اپنے آپ سے بھی دھوکہ کررہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اس طرح کی پالیسیوں اور اقدامات سے وہ اپنے عالمی آقاؤں کو خوش کر کے اپنے اقتدار کو دوام بخش دیں گے۔ حالانکہ یہ ان کی بھول ہے اور یہ نہیں سیکھتے کہ دورِ حاضر کے کئی مسلم حکمران اپنی اسی غلط فہمی کی وجہ سے نہ صرف اپنے دردناک انجام تک پہنچ چکے ہیں بلکہ اس راستے پر چل کر انہوں نے اپنے اپنے ملک اور قوم کو بھی عالمی طاقتوں کے ہاتھوں کھیل بنا کر رکھ دیا ہے۔ عالمی طاقتیں ان کی غلط اور ملک وقوم دشمن پالیسیوں کے ذریعے عوام کو حکمرانوں کے خلاف کرنا چاہتی تھیں اور حکمران سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنے آقاؤں کی مرضی کی پالیسیاں اپنا کر اپنا اقتدار محفوظ کررہے ہیں۔ لیکن جب عوام اُٹھ کھڑے ہوئے تو عالمی طاقتوں نے بھی حکمرانوں کے سر سے ہاتھ اُٹھالیا۔ ان حکمرانوں کا اقتدار تو نہ بچ سکا لیکن عالمی طاقتوں کے ایجنڈے تکمیل کی طرف بڑھنے لگے۔

بجائے اس کے' اگر پالیسیاں صحیح سمت میں اور ملک وقوم کے مفادات کو مدنظر رکھ کر بنائی جائیں تو نہ صرف اپنا اقتدار مضبوط ہوسکتا ہے بلکہ عالمی قوتوں کی تمام تر ریشہ دوانیوں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس حقیقت کی زندہ مثال ترکی ہے' جہاں عوام اپنے حکمران کی خاطر فوج سے ٹکرا گئے اور اپنے حکمران کی حکومت کو بچانے کے لیے لوگ ٹینکوں تلے لیٹ گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ

ترک عوام نے قربانیاں دے کر جمہوریت کو بچایا' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یہ سب قربانیاں ایک ایسی حکومت کو بچانے کے لیے دی ہیں جس نے عوام کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا ہے' جس نے عالمی قوتوں کی ناراضگی مول لے کر اپنے عوام کی اُمنگوں اور آرزوؤں کے مطابق فیصلے کیے ہیں۔ مغرب کی تیز وتند ہواؤں میں بھی عوام کی اُمیدوں کے چراغ جلائے رکھے ہیں۔ حالانکہ جب ۱۹۲۳ء میں ترکی میں اتاترک نے ایک سیکولر حکومت کی بنیاد رکھی تو اس کا قبلہ مغرب تھا۔ جہاں اذان پر' عورت کے پردے پر' عربی زبان اور اسلامی تعلیم پر پابندی تھی' حتیٰ کہ پارلیمنٹ میں اذان مکمل ہونے تک سات ارکان کو شہید کردیا گیا۔ ایک ایسے معاشرے میں طیب اردگان نے آہستہ آہستہ اسلامی نظریات کے مطابق ملک ومعاشرے کو ڈھالنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ مسجدوں اور مدرسوں کو دوبارہ آباد کیا اور ان کے قرب وجوار میں شراب کی خرید وفروخت پر پابندی عائد کی۔ حجاب پر پابندی کو ختم کیا۔ عربی زبان اور اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے اقدامات اٹھائے' صرف دو سال ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۳ء میں سترہ ہزار نئی مساجد تعمیر کروائیں۔ تمام سکولوں میں مذہبی تعلیم کو لازم قرار دیا اور قرآن پاک کی عربی زبان میں تعلیم کا اہتمام کیا۔ یہ سب اقدامات ظاہر ہے کہ اس نے عالمی قوتوں کی مرضی کے خلاف اُٹھائے تھے۔ اگر ہمارے حکمران ہوتے تو سمجھتے ان کا اقتدار شدید خطرے میں پڑ گیا ہے۔ لیکن وقت نے ثابت کیا کہ عالمی قوتوں کی زبردست کوشش اور جِدّوجُہد کے باوجود کوئی طیب اردگان کا بال تک بیکا نہ کرسکا۔ صرف اس لیے کہ اس نے اپنے ملک اور قوم کے مفادات میں پالیسیاں بنائی تھیں' لہٰذا قوم نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

چنانچہ ہمارے حکمرانوں کو بھی سمجھنا چاہیے کہ اپنے جن آقاؤں کی خوشنودی کے لیے وہ ملک وقوم دشمن پالیسیاں بنا کر عوام کے سر مَنڈھ رہے ہیں انہی آقاؤں کی یہ کوشش ہے کہ ہر اسلامی ملک میں انتشار پھیلے۔ اور جب ایسا ہوگا تو عوام ایسے حکمرانوں کا کبھی ساتھ نہیں دیں گے اور ان کا وہی حشر ہوگا جو اس سے قبل کئی ایسے مسلم حکمرانوں کا ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر انہیں ان کے انجام سے کچھ سیکھنا ہے تو وہ یہی ہے کہ بیرونی خطروں کا مقابلہ تب ہی کیا جاسکتا ہے جب اندر سے ملک مضبوط ہو اور قوم ایک ہو۔ اور قوم ایک اور متحد اسی وقت ہوگی جب ایک صحیح سمت کا تعین کرتے ہوئے یعنی تحریکِ پاکستان کے دوران کیے گئے وعدوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بنیادی نظریات کے مطابق اور قومی مفادات کے تابع پالیسیاں ترتیب دی جائیں گی اور حقیقی منزل یعنی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کی جانب سفر کا آغاز کیا جائے گا۔ جبکہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہی یہی ہے کہ ہم ایک واضح منزل کا حقیقی تصور رکھنے کے باوجود اپنے قومی سفر کو صحیح سمت میں نہیں ڈھال سکے۔

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الْقَصَص

آیات ۲۹ تا ۴۲

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۭ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ڰ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي

الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝ ع

آیت ۲۹ ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ﴾ ’’تو جب موسیٰؑ نے وہ مدت پوری کر دی اور وہ اپنے گھر والوں کو لے کر چلا‘‘

یہ سوچ کر کہ آٹھ دس سال کا عرصہ بیت جانے کے بعد قتل والا معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ہو گا‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل وعیال کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

﴿اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ﴾ ’’تو اُس نے طور پہاڑ کے ایک جانب ایک آگ دیکھی۔‘‘

﴿قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾ ’’اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم لوگ (یہیں) ٹھہرو‘‘

﴿اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ ’’میں نے ایک آگ دیکھی ہے‘ شاید میں وہاں سے تمہارے لیے کوئی خبر لے آؤں‘‘

ممکن ہے آگ کی جگہ پر موجود کسی شخص سے مجھے راستے کے بارے میں کچھ یقینی معلومات مل جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم بھٹک کر غلط راستے پر چل پڑے ہوں۔

﴿اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹﴾ ’’یا اس آگ سے کوئی انگارا (ہی لے آؤں) تاکہ تم تاپ سکو۔‘‘

اگر وہاں سے مجھے کوئی انگارا وغیرہ مل گیا تو اس سے ہم آگ جلا کر اس سرد رات میں اپنے لیے گرمی حاصل کر سکیں گے۔

آیت ۳۰ ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ ’’تو جب وہ وہاں پہنچا تو اُسے ندا دی گئی وادی کے دائیں کنارے سے‘ بابرکت جگہ میں ایک درخت سے‘‘

﴿اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۰﴾ ’’کہ اے موسیٰؑ! میں ہی اللہ ہوں‘ تمام جہانوں کا پروردگار۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ﴾ ''اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو!''

قرآن میں اس واقعہ سے متعلق مختلف تفصیلات مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔

﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ﴾ ''تو جب اُس نے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے جیسے کہ سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اُس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔''

اس واقعہ کے حوالے سے سورۃ النمل میں بھی ان سے ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں۔

﴿يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱﴾ ''(اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو نہیں، تم بالکل مأمون ہو۔''

تم بالکل امن وامان میں رہو گے اور تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

آیت ۳۲ ﴿اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ﴾ ''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ نکلے گا سفید ہو کر بغیر کسی بیماری کے''

﴿وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ ''اور اپنا بازو اپنے ساتھ چپکا لو خوف سے (بچنے کے لیے)''

خوف کی کیفیت کا سامنا کرنے کے لیے یہ ایک خاص ترکیب بتائی گئی کہ جب کبھی آپؑ کو کوئی خوف لاحق ہو تو اپنے بازو کو اپنی بغل کے ساتھ چمٹا لینا' اس طرح خوف کے اثرات زائل ہو جائیں گے۔

﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ﴾ ''تو یہ دو نشانیاں ہیں تمہارے ربّ کی طرف سے' فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۳۲﴾ ''یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔''

فرعون اور اس کے اَعیانِ سلطنت ایک فاسق' فاجر اور سرکش قوم بن گئے ہیں۔ لہٰذا ان نشانیوں کے ساتھ ان کے پاس جاؤ اور انہیں اللہ ربّ العالمین کی اطاعت و بندگی کی دعوت دو۔

آیت ۳۳ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۳۳﴾ ''اُس نے کہا: پروردگار! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا' چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔''

اگر میں مصر پہنچ کر خاموشی سے کسی جگہ آباد ہو جاؤں تو شاید محفوظ رہ سکوں' لیکن اگر میں سیدھا فرعون کے دربار میں چلا گیا تو اندیشہ ہے کہ فوری طور پر میرے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا اور مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

آیت ۳۴ ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ﴾ ''اور میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے' تو اسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔''

﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۳۴﴾ ''مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔''

آیت ۳۵ ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ﴾ ''اللہ نے فرمایا: ہم تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے تمہارے بھائی کے ذریعے سے''

﴿وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ﴾ ''اور ہم تم دونوں کے لیے ایسا رعب پیدا کر دیں گے کہ وہ تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکیں گے۔''

جس طرح بچپن میں ہم نے آپؑ کے چہرے پر اپنی محبت کا پرتو ڈال کر فرعون کو آپؑ کے قتل سے باز رکھا تھا ایسے ہی اب بھی ہم آپؑ کی حفاظت کریں گے۔ ہم آپ کی شخصیت میں ایسا رعب اور دبدبہ ڈال دیں گے کہ دشمن آپؑ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکیں گے' آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔

﴿بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝۳۵﴾ ''ہماری نشانیوں کی بدولت' تم دونوں اور تمہارے پیروکار سب غالب رہیں گے۔''

آیت ۳۶ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ﴾ ''تو جب موسیٰؑ پہنچا اُن کے پاس ہماری روشن نشانیاں لے کر''

﴿قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۶﴾ ''انہوں نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں سوائے گھڑے ہوئے جادو کے' اور ہم نے ایسی کوئی بات اپنے پہلے آباء واَجداد میں نہیں سنی۔''

ہمارے لیے یہ بالکل نئی بات ہے کہ اللہ جو اس کائنات کا خالق ہے وہ کسی انسان کو اپنا نمائندہ بنا کر دنیا میں بھیجے اور وہ اس حیثیت میں لوگوں سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرے۔ ہم

نے اپنے باپ دادا سے بھی نہیں سنا کہ ان کے زمانے میں پہلے کبھی ایسا ہوا تھا۔

آیت ۳۷ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ﴾ ''اور موسیٰؑ نے کہا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو ہدایت لے کر آیا ہے اُس کی طرف سے اور (وہی خوب جانتا ہے کہ) کس کے لیے دارِ آخرت کا اچھا انجام ہے۔''

﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۳۷﴾ ''یقیناً ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ﴾ ''اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تو اپنے سوا تمہارے لیے کسی معبود کو نہیں جانتا۔''

اس ملک میں میری حکومت ہے اور یہاں صرف میرا حکم چلتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے علاوہ کسی اور کو تمہارا ''الٰہ'' یا ''رب'' ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

﴿فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ﴾ ''تو اے ہامان! ذرا تم میرے لیے مٹی کی اینٹوں کو آگ سے پختہ کرو''

یعنی گارے سے اینٹیں بنا کر انہیں بھٹے میں پکانے کا بندوبست کرو۔

﴿فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ﴾ ''پھر میرے لیے ایک اونچا محل بنواؤ تاکہ میں جھانک سکوں موسیٰ کے الٰہ کو''

موسیٰ جس الٰہ کی بات کرتا ہے، میں اس اونچی عمارت پر چڑھ کر آسمانوں میں جھانک کر اُس الٰہ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

﴿وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳۸﴾ ''اور میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝۳۹﴾ ''اور زمین میں ناحق تکبر کیا اُس نے بھی اور اُس کے لشکروں نے بھی، اور انہوں نے سمجھا کہ وہ ہماری طرف لوٹائے نہیں جائیں گے۔''

آیت ۴۰ ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ﴾ ''اور ہم نے پکڑ لیا اُس کو بھی اور اس کے لشکروں کو بھی، پھر ہم نے پھینک دیا انہیں سمندر میں۔''

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰﴾ ''تو دیکھ لو کیا انجام ہوا ظالموں کا!''

آیت ۴۱ ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ﴾ ''اور ہم نے بنا دیا انہیں امام، آگ کی طرف بلانے والے۔''

یعنی فرعون اور اس کے درباری لوگوں کو جہنم کی طرف بلانے والے گروہ کے پیشوا بن گئے۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۴۱﴾ ''اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔''

آیت ۴۲ ﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ﴾ ''اور ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اس دنیا میں بھی۔''

یہ لعنت رہتی دنیا تک ہر دور میں ان کا پیچھا کرتی رہے گی۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝۴۲﴾ ''اور قیامت کے دن وہ بہت ہی بُرے حال والوں میں سے ہوں گے۔''

قیامت کے دن وہ بڑی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔ وہ ذلیل و خوار اور مردود و مطرود ہوں گے، اللہ کی رحمت سے بالکل محروم کر دیے جائیں گے، ان کی بڑی گت بنائی جائے گی اور ان کے چہرے بگاڑ دیے جائیں گے۔ لفظ ''مَقْبُوْحِيْن'' میں یہ سارے معانی موجود ہیں۔

آیات ۴۳ تا ۵۰

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ

قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۖ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا
لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ
هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾

آیت ۴۳ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا فرمائی اس کے بعد کہ ہم نے پہلی جماعتوں کو ہلاک کر دیا تھا''

﴿بَصَاۗىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''(یہ کتاب) لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے تھی اور ہدایت اور رحمت تھی' تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

آیت ۴۴ ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ موجود نہیں تھے (اُس پہاڑ کے) غربی جانب جب ہم نے موسیٰؑ کی طرف حکم بھیجا تھا''

اے نبی ﷺ! طور کے دامن میں جب ہم موسیٰؑ سے گفتگو کر رہے تھے اور انہیں منصب رسالت پر فائز کر کے فرعون کی طرف جانے کا حکم دے رہے تھے تو آپؐ اس وقت وہاں پر موجود نہیں تھے۔

﴿وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''اور نہ آپؐ اُن لوگوں میں شامل تھے جو وہاں حاضر تھے۔''

آیت ۴۵ ﴿وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ﴾ ''لیکن ہم نے پیدا کیں بہت سی نسلیں' تو ان کے اوپر ایک لمبی عمر بیت گئی۔''

اہلِ مکہ چونکہ نبوت اور رسالت کے تصورات سے ناواقف ہیں اس لیے وہ آپؐ کے دعوائے رسالت پر حیرت کا اظہار کر رہے ہیں' لیکن اگر وہ قرآن کی فراہم کردہ معلومات پر غور کریں تو ان پر اس کے ''من جانب اللہ'' ہونے کی حقیقت عقلی طور پر بھی واضح ہو جائے گی۔ ماضی کے واقعات کی تفصیلات جب آپؐ ان کو سناتے ہیں تو یہ بات خود بخود ان کی سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ یہ تمام معلومات اللہ تعالیٰ نے براہِ راست بذریعہ وحی آپؐ کو فراہم کی ہیں۔

﴿وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ﴾ ''اور نہ ہی آپؐ اہلِ

مدین کے درمیان مقیم تھے کہ ان کو ہماری آیات پڑھ کر سناتے''

جب آپؐ ان کو مدین میں موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے اور شیخ مدین کے گھر میں ان کے قیام جیسے واقعات کی تفصیلات سنا رہے ہیں تو انہیں غور کرنا چاہیے کہ آپؐ ان واقعات کے عینی شاہد تو نہیں تھے۔

﴿وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''بلکہ یہ تو ہم ہیں (رسولوں کو) بھیجنے والے!''

ہم جس کو چاہتے ہیں اپنا رسول بنا کر بھیجتے ہیں' اور جس کو ہم اس منصب پر فائز کرتے ہیں اس کو غیب کی خبریں' ماضی و مستقبل کے واقعات کے بارے میں معلومات بھی فراہم کرتے ہیں اور ہدایت کے لیے ضروری تعلیمات بھی دیتے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾ ''اور نہ آپؐ (اُس وقت) طور کے پاس موجود تھے جب ہم نے (موسیٰؑ کو) پکارا تھا''

﴿وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ''بلکہ یہ سب رحمت ہے آپؐ کے رب کی طرف سے تاکہ آپؐ اس قوم کو خبردار کریں جس کی طرف آپؐ سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا''

قریشِ مکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک کم و بیش تین ہزار برس کا عرصہ بیت چکا تھا' جس میں اس قوم کی طرف نہ کوئی نبی اور رسول آیا اور نہ ہی کوئی کتاب بھیجی گئی۔ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل (بنی اسرائیل) میں نبوت کا سلسلہ لگاتار چلتا رہا اور انہیں زبور' تورات اور متعدد صحائف بھی عطا کیے گئے۔ بلکہ بنی اسرائیل میں چودہ سو برس کا ایک عرصہ ایسا بھی گزرا جس کے دوران ان میں ایک لمحے کے لیے بھی نبوت کا وقفہ نہیں آیا۔ بہرحال ایک طویل عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیلؑ کو خبردار کرنے کے لیے ان کی طرف حضرت محمد ﷺ کو بطور رسول بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾﴾ ''شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

آیت ۴۷ ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ
اِلَيْنَا رَسُوْلًا﴾ ''اور (یہ ہم نے اس لیے کیا کہ) کہیں ایسا نہ ہو کہ جب انہیں کوئی

مصیبت پہنچے ان کے کرتوتوں کے سبب تو یہ کہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تُو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول‘‘

﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷﴾ ’’کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے!‘‘

اگر رسول مبعوث کیے بغیر ان پر عذاب آ جاتا تو یہ لوگ عذر کرتے کہ ہمیں متنبہ کیوں نہیں کیا گیا؟ جب ہمارے معاملے میں اتمامِ حجت نہیں ہوئی تو پھر یہ عذاب ہمارے اوپر کیونکر مسلط کر دیا گیا؟ یہی مضمون سورۂ طٰہٰ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝۱۳۴﴾ ’’اور اگر ہم اس (قرآن کے نزول) سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے!‘‘

آیت ۴۸ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ﴾ ’’لیکن جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ ان (رسول ﷺ) کو وہی کچھ کیوں نہیں دیا گیا جو موسیٰؑ کو دیا گیا تھا؟‘‘

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور یدِ بیضا جیسے معجزے دیے گئے تھے۔ انہیں تورات تختیوں پر لکھی ہوئی ملی تھی۔ اب اگر محمد (ﷺ) بھی واقعی اللہ کے رسول ہیں تو انہیں ایسے معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟

﴿اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ’’تو جو کچھ پہلے موسیٰؑ کو دیا گیا تھا کیا لوگوں نے اس کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا؟‘‘

تو کیا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ایمان لے آئے تھے؟ کیا وہ لوگ معجزات دیکھ لینے کے باوجود انکار کر کے عذاب کے مستحق نہیں ہوئے تھے؟

﴿قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا ۖ﴾ ’’انہوں نے کہا کہ یہ تو دو جادو ہیں‘ ایک دوسرے کے مددگار۔‘‘

اس فقرے کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام

کے بارے میں فرعون اور اُس کی قوم کے لوگوں کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ دونوں بھائی مجسم جادو ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف گٹھ جوڑ کر رکھا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ایک دوسری رائے کے مطابق یہ قرآن اور تورات کے بارے میں اہل مکہ کا تبصرہ ہے‘ کہ یہ دونوں دراصل جادو کی کتابیں ہیں جو ایک دوسری کی تائید کر رہی ہیں۔ تورات میں قرآن اور محمد (ﷺ) کے بارے میں پیشین گوئیاں ہیں جبکہ قرآن موسیٰؑ اور تورات کی تائید کر رہا ہے۔

﴿وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝۴۸﴾ ’’اور انہوں نے کہا کہ ہم تو دونوں کا انکار کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۴۹ ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۹﴾ ’’آپؐ کہیے کہ پھر لاؤ کوئی ایسی کتاب اللہ کے پاس سے جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو‘ میں اس کی پیروی کروں گا‘ اگر تم سچے ہو!‘‘

اس جملے سے بات گویا واضح ہو گئی کہ پچھلی آیت میں اہلِ مکہ ہی کا قول نقل ہوا ہے جس میں انہوں نے قرآن اور تورات کو ’’سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا‘‘ قرار دیا تھا۔ تو اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہیے کہ اگر قرآن اور تورات دونوں ہی آپ لوگوں کے لیے قابل قبول نہیں تو پھر اللہ کی نازل کردہ کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو۔ اگر تم لوگ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کسی ایسی کتاب کی نشان دہی کرو گے تو مجھے اس کی پیروی کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔ مجھے تو بہر حال حق کی پیروی کرنی ہے۔ میرے اندر ایسا کوئی تعصب نہیں کہ میں بلاوجہ اپنی ضد پر اڑ کر بیٹھ جاؤں۔ استدلال کا یہی انداز سورۃ الزخرف کی اس آیت میں بھی اختیار کیا گیا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝۸۱﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی پرستش کرنے والوں میں ہوتا‘‘۔ کہ جب میں رحمٰن پر ایمان لایا ہوں‘ اس کی عبادت کرتا ہوں‘ تو اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کی بندگی کرنے میں مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟

آیت ۵۰ ﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ﴾ ’’پھر اگر یہ لوگ آپؐ کی بات کو قبول نہ کریں‘‘

آپؐ کی اس دلیل کو بھی اگر یہ لوگ تسلیم نہ کریں:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ ’’تو جان لیں کہ یہ لوگ صرف اپنی خواہشات

کی پیروی کر رہے ہیں۔‘‘

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’اور اُس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر!‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰﴾ ’’یقیناً اللہ ایسی ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

آیات ۵۱ تا ۵۹

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝

آیت ۵۱ ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۱﴾ ’’اور ہم نے لگاتار بھیجا ان کے لیے اپنا کلام تاکہ یہ نصیحت اخذ کریں۔‘‘

لوگوں کو راہِ راست دکھانے کے لیے ہم مسلسل ہدایت بھیجتے رہے ہیں۔ چنانچہ تورات‘ زبور‘ انجیل اور قرآن اسی ’’سلسلۃ الذھب‘‘ (سنہری زنجیر) کی کڑیاں ہیں۔ یہاں پر وَصَّلْنَا کا اشارہ اہل مکہ کے ’’سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا‘‘ کے الزام کی طرف بھی ہوسکتا ہے کہ جن کتابوں کو یہ

لوگ جادو قرار دے کر ان میں باہمی گٹھ جوڑ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے اندر واقعی وصل ہے‘ اس لیے کہ وہ ایک ہی سلسلۂ ہدایت کی کڑیاں ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۲﴾ ’’جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں۔‘‘

یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دل سے مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

آیت ۵۳ ﴿وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ﴾ ’’اور جب یہ (قرآن) انہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے‘‘

﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝۵۳﴾ ’’یقیناً یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے‘ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم تھے۔‘‘

یعنی اس سے پہلے بھی ہم انبیاء و رسل علیہم السلام اور آسمانی کتب کے ماننے والے تھے اور اب محمدؐ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کتاب لے کر آئے ہیں تو اس کو بھی ہم نے مان لیا ہے۔ لہٰذا ہمارے دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہم پہلے بھی مسلمان تھے اور اب بھی مسلمان ہیں۔ تورات اور انجیل کی پیشین گوئیوں کی بنا پر ہم پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ☆

آیت ۵۴ ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دیا جائے گا دو مرتبہ‘‘

یعنی سابقہ امت کے جو لوگ (یہودی یا نصرانی) اسلام قبول کریں گے وہ دہرے اجر کے مستحق قرار پائیں گے۔ اس سے پہلے وہ انجیل اور تورات کو مانتے تھے اور اب انہوں نے قرآن کو بھی تسلیم کر لیا۔

﴿بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۵۴﴾

’’بسبب اس کے کہ وہ ثابت قدم رہے اور وہ بھلائی کے ذریعے سے برائی کو دفع کرتے

☆ ایسے لوگوں میں ایک نمایاں نام حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپؓ ایک یہودی عالم تھے اور جب آپؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی خبر پہنچی تو آپؓ ایمان لائے اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کا کلام مانا۔ (مرتب)

ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

آیت ۵۵ ﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ﴾ ''اور جب انہوں نے لغو باتیں سنیں تو انہوں نے ان سے اعراض کیا اور کہا کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔''

﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۵۵﴾ ''تم لوگوں پر سلام! ہم جاہلوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔''☆

یہاں اس مکالمے کی طرف اشارہ ہے جو حبشہ کے وفد کے ارکان کا مشرکین مکہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ وفد حضور ﷺ سے ملاقات کے لیے مکہ آیا تھا۔ واقعہ دراصل یوں تھا کہ مکہ سے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کرنے والے صحابہؓ کی تبلیغ سے حبشہ میں کچھ عیسائیوں نے اسلام قبول کرلیا۔ جیسے بعد میں دوسری ہجرت کے مہاجرین صحابہ کی تبلیغ سے شاہ حبشہ نجاشی ؒ بھی ایمان لے آئے تھے' جو اپنی زندگی میں حضور ﷺ کی زیارت کر کے صحابیت کا درجہ تو نہ پا سکے' البتہ صحابہؓ سے ملاقات کی بنا پر وہ تابعی ضرور ہیں۔ حضرت نجاشی ؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور یہ واحد غائبانہ نماز جنازہ ہے جو حضور ﷺ سے پڑھانا ثابت ہے۔

حبشہ میں جن لوگوں نے صحابہؓ کی کوششوں سے ایمان قبول کیا تھا بعد میں ان میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ سے ملاقات کے ارمان میں ایک وفد کی صورت میں مکہ آئے اور حضور ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ جب مشرکینِ مکہ کو ان لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے ان لوگوں سے بہت بے ہودہ باتیں کیں' انہیں طعنے دیے اور ان کا خوب تمسخر اڑایا کہ تم لوگ بہت احمق ہو جو اپنی الہامی کتاب کو چھوڑ کر اس نئے دین میں شامل ہو گئے ہو۔ آیت زیر مطالعہ میں اس وفد کے لوگوں کا جواب نقل ہوا ہے جو انہوں نے مشرکین مکہ کو دیا تھا کہ ہمارا آپ لوگوں سے کچھ سروکار نہیں' ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم لوگ اپنے اعمال کے۔ ہم اللہ کے

☆ سورۃ الفرقان میں ''عبادالرحمٰن'' کا ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۶۳﴾ ''اور جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں جاہل لوگ تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔'' جبکہ سورۃ القصص کی زیر مطالعہ آیت میں مؤمنین کی طرف سے اس وصف کا عملی مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ (مرتب)

فضل سے پہلے بھی حق پر تھے اور اب ہمیں اس حق پر بھی ایمان لانے کی سعادت ملی ہے جو قرآن کی صورت میں ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے۔

آیت ۵۶ ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں' بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''

﴿وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۵۶﴾ ''اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔''

یہ آیت خاص طور پر حضور ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں ہے۔ حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ وہ ایمان لے آئیں۔ ان کا انتقال ۱۰ نبوی میں ہوا تھا۔ ان کے آخری وقت بھی حضور ﷺ نے ان سے بہت اصرار کیا کہ چچا جان! آپ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے کلمات میرے کان میں کہہ دیں تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں' لیکن وہ اس سے محروم رہے۔ بہر حال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضور ﷺ پر ان کے بہت احسانات ہیں اور ان کے وہ احسانات حضور ﷺ کی نسبت سے ہم سب پر بھی ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ان کا نام ادب سے لیں اور ان کا ذکر احترام سے کریں۔

آیت ۵۷ ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپؐ کے ساتھ اس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے۔''

ہم اُچک لیے جائیں گے' یعنی ہمیں ختم یا برباد کر دیا جائے گا۔ یہ لفظ اسی مفہوم میں سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ میں بھی آیا ہے' جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں: ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ ''اور یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے' تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لے جائیں گے''۔ مزید برآں یہ لفظ سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۷ میں بھی آیا ہے۔

عام طور پر کسی معاشرے میں حق کو قبول کرنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو حق کو پہچانتے ہی فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو اپنی کسی مصلحت کو اس رستے کی دیوار بننے دیتے ہیں اور نہ ہی دوسرے لوگوں کے اس طرف مائل ہونے کا انتظار کرتے

ہیں۔ وہ نہ صرف آگے بڑھ کر بے دھڑک انداز میں حق کو قبول کرتے ہیں بلکہ اس کے بعد وہ ''ہر چہ باداباد'' کے مصداق حق کی وفاداری میں کسی بھی قسم کی قربانی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس راستے میں جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کے برعکس کچھ لوگ حق کو پہچان لینے کے باوجود منتظر رہتے ہیں کہ کچھ اور لوگ بھی آ جائیں' جب کچھ لوگ اس نظریے کو قبول کر کے اس نئے راستے پر چلیں گے اور ان کے چلنے سے اس راستے کے نشانات واضح ہو کر ایک پگڈنڈی بن جائے گی تو ہم بھی شامل ہو جائیں گے۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ﴾ ''اور پہلے پہل سبقت کرنے والے' مہاجرین اور انصار میں سے' اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکی کے ساتھ''۔ یعنی کچھ خوش قسمت لوگ تو پہلے پہل سبقت لے گئے اور کچھ ان کے پیروکار بنے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ان دونوں طرح کے لوگوں کے اپنے اپنے درجات ہیں۔ ان دو اقسام کے علاوہ ہر معاشرے میں ایک گروہ ایسے کم ہمت لوگوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے جو کسی نظریے کی خاطر کسی قسم کی آزمائش جھیلنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ وہ حق کو پہچان تو لیتے ہیں مگر اسے بڑھ کر قبول کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آیت زیر مطالعہ میں ایسے کم ہمت لوگوں کا قول نقل ہوا ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ کی باتیں تو درست ہیں' آپ کی دعوت دل کو بھی لگتی ہے' لیکن ہم پورے عرب کے ساتھ دشمنی مول نہیں لے سکتے۔ اگر ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے تو یہ لوگ ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور ہمیں نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔

﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا﴾ ''کیا ہم نے انہیں امن والے حرم میں متمکّن نہیں کیا؟''

ان کے اس بہانے کا یہاں یہ جواب دیا گیا ہے کہ جس حرم کی حدود میں وہ سکون اور چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں' اسے امن کی جگہ کس نے بنایا ہے؟ تو جس اللہ نے حرم کو امن والی جگہ بنایا ہے' کیا اب وہ اپنے نام لیواؤں کی مدد نہیں کرے گا اور کیا وہ ان کو ان کے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گا؟

﴿يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ''کھنچے چلے آتے ہیں اس (حرم) کی طرف ہر قسم کے پھل''

ان الفاظ کا عملی نقشہ دنیا نے مکہ کے اندر ہر دور میں دیکھا ہے۔ پرانے زمانوں میں بھی جب حج کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں سے لوگ مکہ آتے تھے تو اپنے اپنے علاقوں کے پھل اور دوسری چیزیں اپنے ساتھ لاتے تھے۔ آج بھی دنیا کے مختلف علاقوں کے بہترین پھل مکہ میں ہر وقت دستیاب رہتے ہیں۔ بہر حال اس گھر کو امن والی جگہ بھی اللہ ہی نے بنایا ہے اور اُسی نے اس کو پھلوں اور رزق کی فراوانی سے نوازا ہے۔

﴿رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ ''یہ خاص رزق ہے ہماری طرف سے''

اس لیے کہ ہمارے محبوب بندے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں آباد کرتے وقت ہم سے اس بارے میں یہ دعا کی تھی: ﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ (ابراہیم) ''اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد (کی ایک شاخ) کو آباد کر دیا ہے اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس' اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز قائم کریں' تو تُو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو رزق عطا کر پھلوں سے' تاکہ وہ شکر ادا کریں''۔ ہم نے اپنے بندے کی یہ دعا قبول فرمائی اور یہ اسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر طرح کا رزق وافر مقدار میں وہاں بسنے والے لوگوں تک مسلسل پہنچا رہے ہیں۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾﴾ ''لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

آیت ۵۸ ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ﴾ ''اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو کہ اترا تی تھیں اپنی معیشت پر۔''

انہیں اپنے معاشی نظام کے استحکام پر بہت گھمنڈ تھا' لیکن ان کی خوشحالی اور ان کی مستحکم معیشت انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔

﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''تو (دیکھ لو!) یہ ہیں ان کے (کھنڈر بنے ہوئے) گھر' نہیں ہوئے ان میں رہنے والے ان کے بعد مگر بہت تھوڑے۔ اور ہم ہی (ان کے) وارث ہو کر رہے۔''

آیت ۵۹ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا﴾ ''اور نہیں

تھا آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا' جب تک کہ وہ ان کی مرکزی بستی میں کوئی رسول نہ بھیج دیتا''

یعنی اللہ تعالیٰ کسی بستی تک دعوتِ حق پہنچائے بغیر اس پر عذاب نہیں بھیجتا۔ اس سلسلے میں اللہ کا اصول اور طریقہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ پہلے متعلقہ قوم کی طرف باقاعدہ ایک رسول مبعوث کیا جاتا جو حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح کر کے اس قوم پر حجت قائم کر دیتا۔ پھر اس کے بعد بھی جو لوگ اپنے کفر پر اڑے رہتے انہیں عذاب کے ذریعے نیست و نابود کر دیا جاتا۔ یہی اصول سورۂ بنی اسرائیل میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ ''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کوئی رسولؑ نہ بھیج دیں''۔ آیت زیر مطالعہ میں اس اصول کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ کسی قوم کی طرف رسول بھیجنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس علاقے کے ہر ہر گاؤں اور ہر ہر بستی میں رسول مبعوث کیے جاتے تھے بلکہ اس کا طریقہ اور معیار یہ رہا ہے کہ متعلقہ قوم کے مرکزی شہر میں رسول بھیج دیا جاتا تھا۔

﴿يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا﴾ ''جو اُن کو پڑھ کر سناتا تھا ہماری آیات۔''

﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹﴾ ''اور ہم ہرگز ان بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں تھے مگر اس بنا پر کہ ان کے باسی ظالم تھے۔''

''ظالم'' کا لفظ مشرک' کافر' گنہگار اور ظلم و ناانصافی کرنے والے' سب کو محیط ہے۔

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

اصلاحِ معاشرہ کا قرآنی تصوّر (۴)

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کا مسجد دارالسلام باغِ جناح لاہور میں

۱۲ نومبر ۱۹۸۲ء کا خطابِ جمعہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

شفاعت کا تصور: قرآنی آیات کی روشنی میں

میں نے عرض کیا تھا کہ شفاعت مطلقہ کا جو تصور اور عقیدہ عام طور پر ہمارے ہاں رائج ہے، وہ باطل ہے اور جس شفاعت کا قرآن اور احادیث میں ذکر ہے، وہ مشروط ہے۔ اس وقت تفصیل کا موقع نہیں ہے، البتہ اس موضوع پر ''حقیقت واقسامِ شرک'' پر میری تقاریر (اور کتاب) میں مفصل بحث موجود ہے۔ یہاں میں قرآنی آیات کی روشنی میں اختصار کے ساتھ بس اتنا عرض کروں گا کہ قرآن نے اصلاً تو شفاعت کی نفی کی ہے اور جہاں اس کا اثبات ہے وہاں اس کی شرائط بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

شفاعت کی کامل نفی سورۃ البقرۃ کی آیات ۴۸، ۱۲۳ اور ۲۵۴ میں بیان ہوئی ہے۔ پہلی اور دوسری آیات میں یہود کو خطاب کر کے شفاعت کی بایں الفاظ کلی نفی کی گئی ہے:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾

''اور ڈرو اُس دن سے کہ جس دن کام نہ آ سکے گی کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی اور نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ کسی سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔''

اور آیت ۱۲۳ کے الفاظ بھی بعینہٖ یہی ہیں، بس ترتیب کا فرق ہے:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا

تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾

''اور ڈرو اُس دن سے کہ جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے گی اور نہ اُس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش ہی فائدہ دے سکے گی اور نہ انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔''

جبکہ آخر الذکر آیت (۲۵۴) میں اہل ایمان کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾﴾

''اے اہلِ ایمان! خرچ کرو اُس میں سے جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن آ دھمکے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی، نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی شفاعت مفید ہوگی۔ اور جو انکار کرنے والے ہیں وہی تو ظالم ہیں۔''

سورۃ الزمر کی آیت ۴۴ میں بطور کلیہ فرمایا گیا کہ شفاعت صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کا اختیار ہے:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ شفاعت تو کُل کی کُل اللہ تعالیٰ کے اپنے اختیار میں ہے، جس کے لیے آسمانوں اور زمین (یعنی اس کُل کائنات) کی بادشاہی اور حکومت ہے۔''

سورۃ الانعام کی آیت ۷۰ میں نہایت پُرجلال اور پُرہیبت اسلوب میں شفاعتِ مطلقہ و باطلہ کی تردید کی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۡ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ﴾

''چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ ہاں مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے (اس حال میں) کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی اس کے لیے نہ ہو۔''

پھر سورۃ السجدۃ کی آیت ۴ میں بھی شفاعت کی مکمل نفی کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾﴾

''نہیں ہے تمہارے لیے اُس کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے!''

شفاعت کی شرائط: یہاں تک تو اُن آیات کا بیان تھا جن میں شفاعت کی مکمل طور پر نفی وارد ہوئی ہے' آگے ان آیات کا تذکرہ ہے جن میں شفاعت کا اثبات تو موجود ہے' مگر ساتھ ہی اس کی شرائط بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ قرآن مجید میں شفاعت کے اثبات کے ساتھ تین شرائط بیان ہوئی ہیں: (۱) اِذن (اجازت)' (۲) رضا (پسند)' اور (۳) صواب (صحیح وحق بات)۔ آیۃ الکرسی' مجھے توقع ہے کہ ہم سب کو یاد ہوگی' اس میں فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۵۵) ''کون ہے وہ جو اللہ کے سامنے شفاعت کر سکے اس کی اجازت کے بغیر؟'' اس استفہامی اسلوب کے تیور پہچانیے۔ ان الفاظ میں شفاعت کی پہلی اور بنیادی شرط کو بیان کر دیا گیا کہ اگر کسی کی بھی شفاعت ہوگی تو وہ صرف اور صرف اللہ کی اجازت کے ساتھ ہوگی۔ اذنِ رب کے بغیر تو کسی شفاعت کا امکان تک موجود نہیں ہے۔

اسی آیت میں آگے فرمایا: ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے' اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اس کے علم کا کچھ بھی' مگر یہ کہ جو وہ خود چاہے''۔ یعنی ہر بات اس کے علمِ کامل میں موجود ہے اور اس سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے اور گزر چکا ہے' وہ بھی اس کے علم میں ہے اور جو کچھ ہونے والا اور گزرنے والا ہے' وہ بھی اس کے علمِ کامل میں موجود ہے۔ سورۃ الانبیاء کی آیت ۲۸ میں شفاعت کی دوسری شرط کا تذکرہ ہے۔ فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾

''جو کچھ ان کے سامنے ہے اسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے اس سے بھی وہ باخبر ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے' بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو اور وہ اس کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں 'اذن' کے ساتھ 'رضا' کا ذکر بھی آ گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ جن کو شفاعت کی اجازت ملے گی وہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی ناراضگی سے خوف زدہ ہوں گے کہ کہیں ایسے شخص کی شفاعت نہ ہو جائے جس کی معافی اللہ کو منظور نہ ہو۔ سورۂ طٰہٰ میں اس بات

کو بایں الفاظ بیان فرمایا گیا:

﴿یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾﴾

''اس روز شفاعت کارگر نہ ہوگی اِلا یہ کہ کسی کو رحمٰن اس کی اجازت دے اور اس کی بات سننا پسند کرے۔''

اس آیت میں بھی اذن اور رضا دونوں کا ذکر ہو گیا۔ پھر یہاں بھی اگلی آیت میں اللہ ربّ العزت نے اپنے علم کامل کا ذکر فرما دیا تاکہ یہ مغالطہ نہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں (معاذ اللہ) کوئی کمی ہے:

﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾﴾

''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اُس کے علم کا۔''

مندرجہ بالا آیات میں شفاعت کی دو شرائط کو بیان کیا گیا: اذنِ رب اور رضائے رب' جبکہ سورۃ النبا کی آیت ۳۸ میں تیسری شرط 'صواب' کا تذکرہ ہے' فرمایا:

﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ؕ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾﴾

''جس روز روح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ کوئی نہ بولے گا سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جو ٹھیک بات کہے۔''

شفاعت کا تصور: احادیث کی روشنی میں

اس ضمن میں صرف دو احادیث پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ یہ دونوں احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی)) قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: وَمَنْ یَّاْبٰی؟ قَالَ: ((مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی)) (۱)

''میری امت کے تمام افراد جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس شخص کے جو (داخل ہونے سے) انکار کرے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: (یا رسول اللہ! جنت میں داخلے سے) کون انکار کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی' وہ

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة' باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اُس نے (گویا جنت میں داخل ہونے سے) انکار کر دیا۔''

دوسری حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ، وَلَيُصَدَّنَّ عَنِّيْ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ فَلَايَصِلُوْنَ، فَاَقُوْلُ : يَا رَبِّ هٰؤُلَاءِ مِنْ اَصْحَابِيْ)) فَيُجِيْبُنِيْ مَلَكٌ فَيَقُوْلُ :وَهَلْ تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ !(۲)

''(روزِ محشر) تم میرے پاس اس حالت میں آؤ گے کہ وضو کے سبب تمہاری پیشانیاں روشن ہوں گی اور تمہارے ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔ تم میں سے ایک جماعت کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے دوست ہیں''۔ اس کے جواب میں مجھ سے کہا جائے گا کہ آپؐ کو معلوم بھی ہے کہ آپؐ کے بعد انہوں نے کیا کیا کیا ہے!''

میدانِ حشر میں آفرینش عالم سے لے کر تا قیامِ قیامت کی تمام بنی نوعِ انسان حاضر ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کے سامنے نبی اکرم ﷺ کے علوِ مقام و مرتبہ کے اظہار کے لیے آپؐ کو بالخصوص شفاعت کا مجاز کیا جائے گا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام اور جملہ اُمم کے صدیقین' شہداء اور صالحین کے مرتبہ کے اظہار کے لیے ان کو بھی شفاعت کی اجازت ہو گی۔ لیکن یہ تمام شافعین صرف ایسے لوگوں ہی کی شفاعت کریں گے جن کی معافی اور مغفرت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت مطلقہ اور علم کامل میں پہلے سے موجود ہوگا اور جن کا معاملہ یہ ہوگا کہ امتحان میں کامیاب ہونے میں قلیل margin سے رہ گئے ہوں گے۔ واللہ اعلم!

تعمیرِ سیرت و کردار کے لیے حقیقی ایمان ناگزیر ہے

اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں ـــــ میں عرض کر رہا تھا کہ اسلام نے انسانی جذبات کو تعمیر سیرت و کردار کے لیے دو اساسات عطا کی ہیں۔ پہلی محبت کی مثبت اساس ہے' یعنی محبت اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی' اور اُس کے راہ میں جہاد کی ـــــ جہاد کیا ہے؟ نظامِ عدل و قسط کو دنیا میں قائم کرنے کی جدّوجہد کی ہمارے دین میں اہمیت کیا ہے؟ اور قرآن

(۲) صحیح مسلم' کتاب الطھارۃ' باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء۔

حکیم اور ہمارے دین کے مجموعی مزاج و نظام سے اس کا تعلق کیا ہے؟ ان تمام سوالات کے بارے میں تفصیلی بیان' ان شاء اللہ' آج بعد نمازِ مغرب جناح ہال میں مرکزی انجمن خدام القرآن کی دس سالہ تقریب کے افتتاحی اجلاس میں ہوگا۔

اب میں آج کی گفتگو کو مزید آگے بڑھاتا ہوں ـــــ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پیدا کرنا اور آخرت کا خوف دل میں قائم کر دینا' ان دونوں کو جمع کیجیے تو اس کی صحیح تعبیر یوں ہوگی کہ معاشرے میں اصل ضرورت تجدیدِ ایمان کی ہے' یا یوں کہہ لیجیے کہ حقیقی ایمان درکار ہے۔ گویا تمام گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ تعمیر سیرت و کردار کے لیے ہمارے معاشرے کی اصل ضرورت یہ ہے کہ قلوب میں حقیقی ایمان پیدا ہو۔

ایمان کے ذرائع

اس ضمن میں آج میں ایک دقیق اور پیچیدہ بحث آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ توجہات کو میری گفتگو پر خوب مرتکز فرمالیں۔ اگرچہ اس مسئلہ پر پچھلے جمعہ کو بھی گفتگو ہو چکی ہے' لیکن میں چاہوں گا کہ مزید گہرائی میں اتر کر اس کو زیادہ سے زیادہ قابل فہم بنانے کی کوشش کروں۔ ایک نہایت اہم سوال یہ ہے کہ ایمان کا سرچشمہ اور منبع کون سا ہے؟ ایمان ملتا کہاں سے ہے؟ اس ایمان کے لیے ہم رجوع کدھر کریں؟ میں چاہتا ہوں کہ ان سوالات کے تمام پہلوؤں کو آپ اچھی طرح سمجھ لیں۔ محض جذباتی و عقیدت مندانہ انداز میں نہیں' بلکہ اس بات کو آپ تجزیاتی (analytical) انداز میں سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔

ایمان کا پہلا منبع: صحبتِ صاحبِ یقین

یہ بات جان لیجیے' کہ ایمان کے دو ہی ذرائع اور مآخذ (sources) ممکن ہیں' تیسرا کوئی نہیں۔ ایک ذریعہ (source) ہے: صحبتِ صاحبِ یقین' ع ''صحبتِ صالح ترا صالح کند''۔ کسی صاحب ایمان و یقین کی صحبت میسر آ جائے تو آپ میں بھی ایمان پیدا ہو جائے گا۔ یہ بالکل وہ طبعی عمل ہے جیسے آپ آگ کی بھٹی کے سامنے بیٹھیں گے تو حرارت خود بخود آپ میں سرایت کرے گی' اور اگر آپ کسی سرد خانے میں ہیں تو اس کی برودت اور ٹھنڈک آپ کو بالفعل پہنچے گی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ بھٹی واقعی آگ کی بھٹی ہو اور اس میں حقیقی آگ روشن ہو' یا سرد خانے میں ٹھنڈ کا فی الواقع انتظام ہو تو حرارت یا برودت آپ کو محسوس نہ ہو اور اس کے

اثرات آپ پر مرتب نہ ہوں۔اسی طرح صاحبِ یقین و ایمان کی صحبت سے واقعتاً یقین و ایمان پیدا ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا کامل و اکمل ایمان

البتہ اس میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں جن کا پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ظاہر بات ہے کہ جس نوع کی وہ بھٹی ہے اسی نوعیت کا ایمان آگے پہنچے گا۔اب یہ بات جان لیجیے کہ کامل ایمان و یقین کی بھٹی تو تھی ذاتِ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ وہ ایمان جو ہر پہلو سے مکمل ہی نہیں اکمل ہے۔ وہ ایمان جس میں شعوری و اکتسابی پہلو بھی شامل ہے۔ذہن میں رکھیے کہ غارِ حرا کی خلوتوں میں جو غور و فکر ہوا ہے تو انسان کی اپنی فکر کی جو بلندی ہے' جہاں تک اس کے اپنے غور و فکر کی رسائی ممکن ہے وہاں تک آپؐ ان خلوتوں میں پہنچ گئے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ اس مقام پر کھڑے گویا دستک دے رہے ہیں کہ جس سے آگے جب تک وحی کا دروازہ نہ کھلے' انسان کی رسائی ممکن نہیں ہے۔اس مقام تک پہنچنے کے بعد وحی کا دروازہ کھلا ہے۔ یہاں اچانک علامہ اقبال کا ایک شعر ذہن میں آ گیا' اسے بطورِ تفہیم آپ کو سنائے دیتا ہوں۔اس شعر کو بلاتشبیہہ سامنے رکھئے گا' کہیں اسے من و عن چسپاں نہ کر دیجیے گا۔شعر ہے:

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں!
میرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر!

اس شعر کے حوالے سے دو مرحلے سامنے آ جائیں گے۔ پہلا یہ کہ فکر انسانی اپنی اس بلندی تک پہنچ گئی ہے جہاں تک اس کی رسائی ممکن ہے اور اس مقام تک پہنچ کر حقیقت الحقائق کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔اس کے آگے کا مرحلہ خالص وہبی ہے۔وہ خالص اللہ کا فیصلہ اور اس کی مشیت ہے۔اس کا تعلق انسان کے اپنے ذاتی اکتساب اور ذاتی محنت سے نہیں ہے' وہ مرحلہ اجرائے وحی کا مرحلہ ہے' جیسے سورۃ الضحیٰ میں فرمایا: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝۷﴾

''(اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں و متلاشی پایا تو (ہم نے پردے اٹھا دیے اور) ہدایت کے دروازے کھول دیے''۔اسی کے متعلق سورۃ الشوریٰ کی آخری دو آیات میں فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۵۲ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝۵۳﴾

''اور (اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے ایک روح اپنے امر میں سے۔آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے' لیکن اس (قرآن) کو ہم نے ایسا نور بنایا ہے جس کے ذریعے سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔ اور آپؐ یقیناً سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔اُس اللہ کے راستے کی طرف جس کی ملکیت ہے ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے۔آگاہ ہو جاؤ! تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹ جائیں گے۔''

پھر وہ وقت بھی آیا کہ خاتم النبیّین و سید المرسلین ﷺ کو معراج عطا ہوئی اور آپؐ کو عالمِ ملکوتی کی بنفسِ نفیس سیر کرائی گئی' جیسے کہ بیان ہوا سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱﴾

''پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور اس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا۔''

اور پھر اس کا مختصر لیکن انتہائی بلیغ نقشہ سورۃ النجم میں بایں الفاظ کھینچا گیا:

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸﴾

''اور انہوں نے اس (جبرائیلؑ) کو ایک اور مرتبہ بھی اترتے دیکھا ہے۔ جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔اُس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔نگاہ نہ چندھیائی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی۔اور انہوںؐ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ لیں۔''

نبی اکرم ﷺ ان دو مراحل سے گزرے ہیں۔انسان اپنے شعور کی بدولت فکر کے جس انتہائی بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے' آنحضورؐ اس بلندی تک پہنچے ہیں اور پھر وہاں پہنچ کر حقیقت الحقائق کے دروازے پر دستک دی۔ چنانچہ پردے اٹھا دیے گئے' دروازے کھول دیے گئے

اور خالصتاً وہبی طور پر نبوت و رسالت کی آخری و بلند ترین مسند پر فائز فرمائے گئے۔ پس یہ ہے ایمان جناب محمد رسول ﷺ کا کہ اس ایمان کی بھٹی سے جو نفوسِ قدسیہ فیض یاب ہوئے ان کا معاملہ تو واقعتاً استثنائی (exceptional) ہے۔ اصحابِ رسول علیٰ صاحبہم الصلوٰۃ والسلام والا ایمان تو اب دنیا میں دوبارہ آ ہی نہیں سکتا' اس لیے کہ آنحضور ﷺ کے ایمان کی بھٹی اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے فیض صحبت سے جو ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا' وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد ہے۔

البتہ بعد کے ادوار میں کچھ اصحاب نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ انسان اپنی خوش عقیدگی اور اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعے بھی ایمان حاصل کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر دل میں حقیقی ایمان یا اس کی کوئی رمق موجود ہے تو وہ لازماً عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یعنی جو اعمال شریعت نے اہلِ ایمان کو عطا کیے ہیں' اگر ایک شخص ان پر دوام کے ساتھ عمل پیرا ہوگا اور ان کو بجالانے کا اہتمام رکھے گا تو اس سے بھی دل میں ایمان پیدا ہوگا' اس کو جلا اور نشو ونما حاصل ہوگی اور اس میں نکھار آئے گا۔ یہ دوطرفہ عمل ہے۔ چنانچہ اکتسابِ ایمان کا جو طریقہ اہل تصوف نے اختیار کیا ہے اور روحانی ریاضتوں اور مشقتوں کے نام پر جو اعمال تجویز کیے ہیں' ان سے بھی قلب انسانی میں ایمان کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں — میں اس کا انکار نہیں کرتا — لیکن یہ جان لیجئے کہ اکثر و بیشتر یہ ایک غیر شعوری اور غیر اکتسابی ایمان کا معاملہ ہے۔ ایسے حضرات کی صحبت سے جو ایمان حاصل ہوگا' اس میں بھی شعوری اور اکتسابی ایمان کا حصہ نہیں ہوگا۔ اس طرح وہ ایمان میسر نہیں آئے گا جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حاصل ہوا تھا' بلکہ ایمان اسی نوعیت کا ملے گا کہ جس نوعیت کا اور جس طریقے سے ان اصحابِ یقین کو حاصل ہوا تھا' جن کی صحبت سے فیض یاب ہوا جا رہا ہوگا۔ پھر نوعیت اور تاثیر کے لحاظ سے ایسے ایمان میں یکسانیت اور یک رنگی ہوگی۔

ایمان کا دوسرا منبع: قرآن مجید

اب آتے ہیں ایمان کے دوسرے منبع اور سرچشمہ کی طرف۔ قرآن حکیم ایمان کا دوسرا سرچشمہ اور منبع ہے۔ آج میں آپ حضرات کی خصوصی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ خود نبی اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کی گواہی کیا ہے۔ وہ ایمان جو آنحضور ﷺ کے قلبِ مبارک میں بالقوّہ (potentially) موجود تھا' اس کا بالفعل وجود میں آنا اور اس کا

ایک حقیقت (actuality) کی شکل اختیار کرنا' اس میں اصل دخل قرآن مجید کو حاصل ہے۔ اس کے لیے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۵۲ کی طرف رجوع کیجیے' جو میں پہلے آپ کو سنا چکا ہوں۔ ذرا غور کیجیے' الفاظ اور اسلوب ایسا ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی بمصداق ع ''ہشدار کہ رہبر دمِ تیغ است قدم را!'' نقصان اور مغالطے کا سبب بن سکتی ہے۔ لہٰذا اس مقام پر بڑے محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ ''کتاب'' کے بارے میں تو واضح ہے کہ اس سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔ اس لیے کہ آنحضور ﷺ پیدا ہوئے مکہ میں اور خاندانِ بنی اسماعیلؑ میں' اور ان کے پاس کوئی کتابِ سماوی اور کوئی شریعت نہیں تھی۔ لیکن یہ بات کہ ''حضور ﷺ ایمان کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے تھے'' یا یہ کہ ''آنحضور ﷺ کے قلب میں ایمان بھی موجود نہیں تھا'' یہ کہتے ہوئے میری زبان لڑکھڑاتی ہے۔ معاذ اللہ! لیکن یہاں الفاظ کا اسلوب اسی مفہوم کا حامل ہے — میں نے عرض کیا کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے قلب مبارک میں ایمان بالقوّۃ (potentially) موجود تھا' لیکن اس کو حقیقی (actual) شکل اختیار کرنے کے لیے ایک خارجی تحریک کی ضرورت تھی اور وہ وحی الٰہی تھی۔ لہٰذا اس آیت سے قبل وحی کی مختلف اقسام کا ذکر کیا گیا اور پھر فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ﴾ ''اور اسی طرح (اے محمد ﷺ!) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی۔''

یہ وہ نور ہے جس سے محمد ﷺ کے قلب مبارک کا آئینہ جگمگا اُٹھا۔ قلبِ محمدیؐ میں آئینہ تو موجود تھا' اس میں استعدادِ کامل بالقوہ موجود تھی' لیکن آئینے کے سامنے شمع آئے گی تو وہ جگمگائے گا۔ وہ شمع کون سی ہے! وہ نور کون سا ہے! وہ شمع اور وہ نور یہی قرآن مجید ہے۔ فرمایا: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے! لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا۔'' (۳)

(۳) رسول اللہ ﷺ کے قرآن پر ایمان لانے کے سلسلے میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۵ کے اس ابتدائی حصے سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ﴾ ''ایمان لائے رسول (ﷺ) اس چیز پر جو نازل کی گئی اُن کی جانب اُن کے ربّ کی طرف سے اور مؤمنین بھی (ایمان لائے۔)''۔ نیز سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۵ کے اس درمیانی حصے سے بھی: ﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ﴾ ''اور آپؐ کہہ دیجیے کہ میں تو اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہے۔'' (مرتب)

نَّهْدِیْ بِهٖ میں ''ہ'' کی ضمیر غائب قرآن مجید کے لیے آئی ہے: ﴿نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ ''(اور یہ نور اس لیے بنایا گیا کہ) اس قرآن کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں'' —— گھپ اندھیرے میں راستہ دیکھنے کے لیے روشنی (نور) کی ضرورت ہوتی ہے اور شرک و جاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کو دور کرنے اور سیدھی راہ دیکھنے کے لیے بھی نور کی ضرورت تھی، جس کے لیے سورۃ الفاتحہ میں انسان کو یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ﴾ تو اس راہ کی راہنمائی کے لیے قرآن مجید نور بنا کر نازل کر دیا گیا ہے۔

زیر مطالعہ آیت کے اختتام پر فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یقیناً آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والے (بن گئے) ہیں''۔ اس بات کو یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اے نبی ﷺ! جب آپ کے قلبِ مبارک کا آئینہ قرآن مجید کے نور سے جگمگا اٹھا ہے تو اب آپؐ وہ بھٹی بن گئے ہیں جس سے لوگوں کو نورِ ایمان حاصل ہوگا۔ اب آپؐ لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دینے والے بن گئے —— لیکن بنے اسی قرآنِ مجید فرقان حمید کے طفیل سے ہیں۔ یہی ہے وہ نور جس نے آپؐ کے قلب مصفا کو جگمگا دیا اور قلب مبارک نورِ ایمان کی بھٹی بن گیا جس سے حرارتِ ایمانی ماحول میں پھیل گئی۔

نورِ قرآن، تمام ظلمتوں کو دور کرنے والا ہے

اب دیکھئے اسی مضمون کو ایک دوسرے اسلوب سے سورۃ الحدید کی آیت ۹ میں بایں الفاظ بیان فرمایا گیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۹﴾

''وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تم پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔''

یہ قرآن مجید کی آیاتِ بینات ہی ہیں جو لوگوں کو الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیروں، شرک کے اوہام کے اندھیاروں اور جاہلیت کی تمام تاریکیوں، الغرض ہر قسم کے ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ سے نکال کر ایمان، یقین اور توحید کی روشنی میں لاتی ہیں۔ یہ نورِ قرآن ہی ہے جو ہر نوع کی

تاریکیوں اور ہر قسم کے اندھیروں کا پردہ چاک کر کے صراطِ مستقیم کو روشن کرتا ہے اور اس منور راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے.....! پس معلوم ہوا کہ اس قرآن حکیم کو اگر ایمان کا سرچشمہ اور منبع نہ بنایا جائے اور صرف چند روحانی ریاضتوں و مشقتوں اور کچھ اوراد و وظائف اور کچھ اعمال کے ذرائع سے ایمانِ حقیقی پیدا کرنے پر ہی توجہ مرکوز کر دی جائے تو مطلوبہ ایمان پیدا نہیں ہوگا۔

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اب پھر اعادہ کرتا ہوں کہ میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کرتا کہ یہ ذرائع بالکل غیر مؤثر ہیں۔ ایک شخص اگر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اذکارِ مسنونہ و ماثورہ پر دوام کے ساتھ عمل کر رہا ہو اور وہ شخص مراقبے بھی کر رہا ہو، ذکر اللہ کی ضربیں بھی اپنے قلب پر لگا رہا ہو تو ان طریقوں سے بھی دل میں ایمان پیدا ہوتا ہے۔ میں ہرگز اس کا منکر نہیں ہوں، لیکن وہ ایمان جو قرآن حکیم میں غور و فکر اور تدبّر سے اخذ کیا جائے گا اور اس کے ذریعے سے وجود میں آئے گا، اس ایمان میں اور پہلے ایمان میں نوعیت اور کیفیت کے اعتبار سے (qulitative) فرق رہے گا۔ وہ ایمان جو ایک بندۂ مومن نورِ قرآن سے حاصل یا اخذ کرتا ہے وہ نوعیت کے لحاظ سے بڑا عظیم ایمان ہے۔ اس لیے کہ نورِ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر اسی مقصد کے لیے نازل فرمایا ہے۔ یہ وہ نور ہے جس نے قلبِ محمد ﷺ کے دل میں موجود بالقوہ (potentially) ایمان کو بالفعل (actually) ایمان بنایا ہے۔ وہی نور درحقیقت سرچشمہ یقین اور منبع ایمان ہے۔ یہی قرآن فی الواقع صحبت محمدی ﷺ کا قائم مقام ہے۔ (۴) اس کی طرف رجوع ہوگا تو درحقیقت فکر کی صحیح اساس ذہن میں قائم ہوگی اور نتیجتاً قلب میں جو شعوری ایمان وجود میں آئے گا، وہ ایمان محض dogma، خوش عقیدگی اور وراثتاً ملنے والا ایمان نہیں رہے گا بلکہ انسان کے فکر و عمل اور قلب و ذہن کے ساتھ مربوط ہوگا۔ اور ایک پختہ، مضبوط (integrated) اور مسحور کن شخصیت وجود میں آئے گی کہ جہاں فکر و عمل، عقل و دل اور حکم و نظریہ سب یک جا ہو جاتے ہیں اور ان میں کوئی تضاد اور تصادم نہیں رہتا، بلکہ ان میں باہم پیوستگی اور ربط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

(۴) نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب بعض تابعین یا اصاغر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آنحضور ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپؓ نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ یعنی آپؐ کی سیرتِ مبارکہ قرآن کے عین مطابق تھی۔ (مرتب)

اس حقیقی ایمان کے حصول کا ذریعہ قرآن مجید ہے۔ اور جس نے قرآن مجید سے ایسا ایمان حاصل کرلیا تو ایسے شخص یا اشخاص کی صحبت کی تاثیر سے جو ایمان پھیلے گا تو اس ایمان میں بھی یہ وصف سرایت کرے گا۔ اگر ایمان دوسری نوعیت کا ہے تو ظاہر بات ہے کہ وہ اگر پھیلے گا تو اسی نوعیت کا پھیلے گا۔

تبلیغی جماعت: عوامی سطح پر ایمان کی ایک عظیم تحریک

اس موقع پر میں یہ عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس دور میں عوامی سطح پر ایمان کی ایک عظیم تحریک ''تبلیغی جماعت'' کے ذریعے سے چل رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تحریک سے عملاً وابستگان میں ایمان و یقین کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے' لیکن اس میں وہی فرق ہے جس کو میں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ اس یقین و ایمان کے اندر ''فکر'' کی ہم آہنگی نہیں ہے' اس لیے کہ فکر کی سطح پر اس تحریک میں بحث ہی نہیں ہے۔ خرد کی گتھیاں سلجھانے کا وہاں کوئی سوال ہی نہیں ہے' بلکہ حتی الامکان اسے by pass اور صرفِ نظر کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس تحریک کا اصل الاصول یہ ہے کہ ''ایسا کیوں اور کیسے ہے؟'' جیسے سوالات و اشکالات کو ذہن سے جھٹک دو اور کام کرو ——— یقیناً اس طرح بھی بے شمار لوگوں کے دلوں میں ایمان پیدا ہوا۔ یہ کام بھی بہت قیمتی ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی کو ایمان کی ایک رمق بھی نصیب ہو جائے تو اس کی خوش بختی کا کیا کہنا! ہوسکتا ہے کہ ایمان کی یہ رمق اس کا بیڑا پار لگانے کا سبب بن جائے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس تحریک کے ذریعے کثیر تعداد میں لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی ہے۔ کتنی عظیم حرکت ہے جو اس وقت دنیا میں قائم ہے' لیکن اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ آج کے دور میں جب تک اس دوسری سطح کا ایمان وجود میں نہیں آئے گا جس میں فکر کی ہم آہنگی بھی موجود ہو' جس میں صرف ''دلِ زندہ'' نہ ہو بلکہ جس میں عقل بھی روشن ہو اور اس میں صحیح فکر و نظر بھی موجود ہو' جب تک اس سطح پر تجدید ایمان کی ایک مؤثر تحریک بپا نہ ہو' اس وقت تک اس دور میں ہمہ جہتی اسلامی انقلاب وجود میں نہیں آسکے گا۔ کیونکہ اس دَور میں عقلیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور عقلیت پرستی تقریباً ایک دین و مذہب کا مقام حاصل کرچکی ہے۔ اب اگر اعلیٰ علمی سطح پر قرآن کے نورِ ہدایت سے عقل و خرد کی گتھیاں سلجھانے کا اہتمام نہیں ہوگا تو وہ ذہین اقلیت (intellectual minority) جو سب سے اوپر بیٹھی

ہوئی معاشرے اور نظام حیات کا اصل رُخ متعین کرتی ہے' وہ کبھی متاثر نہیں ہوگی اور معاشرے میں اسلامی نقطہ نظر سے کوئی پائیدار و مستحکم تبدیلی نہیں آئے گی۔ ٹھیک ہے کہ عوامی سطح پر بات پھیلتی چلی جائے گی۔ جیسے ایک بیل زمین پر پھیلتی چلی جاتی ہے' لیکن بات ایک انقلاب آفریں جڑ اور تنے کی صورت اختیار نہیں کر پائے گی۔ یہ ہے وہ دقیق بات جو ایمان کے ضمن میں' میں آج آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ (۵)

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے

میں حیران ہوتا ہوں کہ اکثر اوقات کوئی حقیقی شاعر بڑے سادہ الفاظ میں کسی حقیقت کبریٰ کو بڑی عمدگی سے بیان کر دیتا ہے۔ شاید آپ کو معلوم ہو کہ 'شاعر' کا لفظ 'شعور' سے اسم فاعل ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ حقیقی شاعر ہوتا ہی وہی ہے جس میں اعلیٰ سطح کا شعور ہو۔ عرب میں دورِ جاہلیت میں تو عقیدہ یہ تھا کہ ان شاعروں کے تابع کوئی نہ کوئی جن ہوتا ہے جو ان سے ایسی دلآویز اور فصیح و بلیغ شاعری کراتا ہے۔ میرا ذہن جب کبھی بھی مولانا ظفر علی خان کے اس شعر کی طرف منتقل ہوتا ہے جو میں اپنی تقاریر میں اکثر سناتا رہا ہوں' تو میں حیران ہوتا ہوں کہ مولانا مرحوم کس کیفیت میں یہ شعر کہہ گئے۔ شعر میں سادگی اور فصاحت دیکھئے اور پھر غور کیجیے کہ اس میں جامعیت اور بلاغت و معنویت کتنی گھمبیر ہے ؎

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈھے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

اس شعر میں لفظ 'عاقل' قابل غور ہے۔ مولانا مرحوم یہاں یہ لفظ بڑے گہرے شعور اور معنویت کے ساتھ لائے ہیں۔ واقعتاً ایک ایمان وہ ہے جو عقل کو by pass کر کے حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ صحبت سے مل سکے گا۔ صاحب یقین و ایمان کی صحبت میں آپ بیٹھیں گے تو ایمان آپ کو بھی ملے گا۔ بھٹی کی آگ آپ کو بھی ملے گی' لیکن یہ ایمان عقل اور فکر کی راہ سے نہیں آرہا' اس میں ذہن و قلب کی ہم آہنگی نہیں ہے۔ جبکہ عالمی فکری و عملی انقلاب کے لیے جو ایمان مطلوب ہے اس میں عقل کی بنیاد موجود ہونی لازمی ہے۔ یہ ایمان دکانِ فلسفہ سے ہرگز

(۵) اس موضوع کی تفصیلی تفہیم کے لیے ڈاکٹر صاحب موصوف کی تالیفات (۱) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (۲) نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں (۳) اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام ——— کا مطالعہ ان شاء اللہ نہایت مفید ہوگا۔ (مرتب)

نہیں مل سکے گا بلکہ واقعہ اور حقیقت کبریٰ یہی ہے کہ یہ وہ جنس ہے جو ع

ڈھونڈھے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سپاروں میں!

چودھویں صدی کی دو عظیم شخصیتیں: شیخ الہندؒ اور علامہ اقبال

یہی وجہ ہے کہ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور علامہ اقبال مرحوم کو چودھویں صدی کی دو عظیم مبلغ قرآن شخصیتیں سمجھتا ہوں۔ میں نے جس اسلوب سے یہ مسئلہ آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے‘ یہ اسلوب و انداز آپ کو نہ شیخ الہند کے ہاں ملے گا اور نہ علامہ کے ہاں—— حالانکہ میرا گہرا احساس بلکہ سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ چودھویں صدی کی برصغیر ہندو پاک کی حد تک ہی نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کے اعتبار سے یہ دونوں محترم شخصیتیں عظیم ترین شخصیتیں ہیں۔ علامہ اقبال کی نابغیت (geniusness) کا لوہا تو اب زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر جگہ مانا جا رہا ہے۔ بعض اہلِ فکر اس رائے کا اظہار کر چکے ہیں کہ مصر میں شاہ فاروق کا تختہ پلٹنے کی تہ میں دوسرے عوامل کے ساتھ مؤثر عامل علامہ اقبال کا پیغام تھا۔ ایران کے موجودہ انقلاب کے متعلق بھی بعض مفکرین بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ اس انقلاب کا اصل جذبہ علامہ کی فارسی شاعری نے فراہم کیا ہے۔ واللہ اعلم! البتہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جدید دور کے فکر و فلسفہ سے ہم آہنگی کے ساتھ اور اس کی علیٰ وجہ البصیرت تردید کرتے ہوئے عظمت قرآن کے بیان اور اس کی ترجمانی میں علامہ جس بلندی تک پہنچے ہیں‘ اس میں کوئی ان کا مدِمقابل نہیں ہے۔ (۶)

دوسری طرف علماء کے طبقے میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ہیں۔ وہ مجاہدِ حریت اور وہ درویش جس کے نام سے انگریز لرزتا تھا اور جسے انگریز حکومت نے جب اسیر کیا ہے تو سارا ہندوستان چھوڑ کر مالٹا میں رکھا ہے—— گویا ؎

اقبالؔ کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز

ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!

تو شیخ الہند کو گرفتار کر کے ہندوستان میں نہیں‘ مالٹا میں رکھا گیا۔ یہ وہ شخصیت ہیں جو صحیح معنوں میں استاذ العلماء ہیں۔

(۶) اس موضوع پر ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب موصوف کی تالیف ’’علامہ اقبال اور ہم‘‘ کا مطالعہ مفید ہوگا۔ (مرتب)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہندؒ کی عظمت و جامعیت: میرا گہرا تاثر‘ احساس اور پختہ رائے یہ ہے کہ دورِ صحابہؓ‘ تابعین و تبع تابعین کے بعد عالم اسلام میں علمی اعتبار سے تین عظیم ترین شخصیتیں گزری ہیں۔ امام ابن تیمیہ‘ امام غزالی اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہم اللہ۔ لیکن ان تینوں کے اندر نسبت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اکیلے مساوی ہیں امام ابن تیمیہؒ اور امام غزالیؒ کے۔ ان دونوں کے کمالات جس شخص کی ذات میں جمع ہوئے ہیں‘ وہ ہیں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ عالم اسلام کے رجال دین میں شاہ صاحبؒ ہی وہ شخصیت ہیں جن میں ایک طرف امام ابن تیمیہؒ کی عقلیت اور سنّت کے ساتھ تمسک اور دوسری طرف امام غزالیؒ کا تصوّف و تفلسف (فلسفہ و منطق) بکمال و تمام موجود ہیں۔

ان کے بعد برصغیر پاک و ہند میں طبقہ علماء میں جو عظیم ترین شخصیت پیدا ہوئی ہے‘ وہ ہیں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جامعیت کا اندازہ کرنا ہو تو آپ کو ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنا ہوگا‘ جبکہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی جامعیت کا اندازہ کرنا ہو تو آپ کو ان کے تلامذہ کو دیکھنا ہوگا۔ ان کے تلامذہ میں ایک طرف تو مجاہدین حریت مولانا حسین احمد مدنی‘ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی‘ اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمہم اللہ ہیں۔ آخر الذکر کے شاگردِ رشید تھے مولانا احمد علی لاہوریؒ جنہوں نے اسی شہر لاہور میں چالیس برس تک ایک مسجد میں مستقل ڈیرا لگا کر قرآن حکیم کا درس دیا ہے۔ دوسری طرف علمی اعتبارات سے مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ اور مولانا انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ علیہما جیسی شخصیات ہیں۔ تیسری طرف مولانا احمد سعید دہلوی‘ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی‘ مولانا محمد میاں رحمہم اللہ اور ایسی بے شمار مجاہد صفت علمی شخصیتیں ہیں۔ چوتھی طرف وہ درویش منش‘ جسم اور جثّے کے لحاظ سے نحیف و ضعیف لیکن عزم و ہمت اور مجاہدہ کے اعتبار سے کوہ ہمالیہ اور سیماب وش شخصیت ہیں مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ‘ بانیٔ تبلیغی جماعت۔ پانچویں طرف صاحبِ علم اور صاحبِ تقویٰ شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حضرت شیخ الہند کے ساتھ شرف تلمذ حاصل ہے۔ الغرض شیخ الہندؒ کے تلامذہ گرامی میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر علم دین و عرفان کا خورشید تھا۔ ایسی تمام شخصیتوں کو جوڑیئے! تو اس کا منبع بنتا ہے۔ شیخ الہندؒ.....! علم قرآن کا میدان ہو‘ حدیث و فقہ کا میدان ہو‘ تصوف و سلوک کا میدان ہو‘ پھر انگریزی سامراج کے خلاف جہاد حریت کا میدان ہو اور قید و بند اور دار و رسن کے مراحل ہوں‘ ان سب سے یہ مردِ خدا آگاہ اور خدا مست گزرا ہے۔

امراضِ اُمت مسلمہ کا واحد علاج: رجوع الی القرآن

چودھویں صدی کی دونوں عظیم شخصیتیں شیخ الہند اور علامہ اقبال (رحمہ اللہ علیہما) اس بات پر متفق تھیں کہ اُمت کے سارے امراض کا علاج ایک ہی ہے کہ اس کو قرآن مجید کی طرف لوٹایا جائے۔ میں نے بڑے وسیع پیمانے پر یہ باتیں پھیلائی ہیں۔

شیخ الہندؒ کی رائے: حضرت شیخ الہندؒ کا وہ قول جو اسارتِ مالٹا سے واپسی کے بعد انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں علمائے وقت کے ایک بہت بڑے مجمع میں ارشاد فرمایا تھا' جس کو روایت کیا ہے مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''وحدتِ امت'' میں' اس سے پتا چلتا ہے کہ اس شیخ الشیوخ کا دل دردمند حالت اسیری میں امت کے حال پر سوچتا رہا ہے کہ ہمارے ساتھ ذلت و خواری اور فلاکت ومحکومی کا معاملہ کیوں ہے؟ غالب کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

اس سوچ بچار اور غور وفکر کا جو جواب حضرت شیخ الہند کو ملا ہے' اس کو انہوں نے اس اجتماعِ علماء میں بایں الفاظ ارشاد فرمایا:

> ''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس بات پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان' دینی اور دنیوی' ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا' دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی' اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی' اس کام میں صرف کر دوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کیے جائیں' بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے' اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔''

شیخ الہندؒ کے اس قول کے متعلق مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی تالیف میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ حضرتؒ نے جو یہ دو باتیں فرمائیں' غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اصل میں یہ دو نہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے آپس کے اختلافات' خانہ جنگی اور تفرقے کا اصل سبب بھی قرآن مجید سے دور ہو جانا ہی ہے —— دیکھئے' وحدتِ ملی کی اساس قرآن حکیم ہی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠﴾ (آلِ عمران:۱۰۳) ''اللہ کی رسّی کو مل جل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو''۔ وعظ کہہ دینا آسان ہے کہ اتحاد ہونا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ اتحاد کس اساس پر ہو؟ ہر تعمیر کے لیے بنیاد درکار ہوتی ہے اور وحدتِ ملی کے لیے اصل بنیاد قرآن حکیم ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ہماری ذلت وپستی کی جڑ اور بنیاد ایک ہی ہے اور وہ ہے قرآن مجید' فرقانِ حمید' شِفَاءٌ لِّلنَّاس سے بعد اور دوری' اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

علامہ اقبال کی رائے: دوسری طرف' جو کچھ اس بارے میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے' اس کا بار بار تذکرہ ہو چکا ہے۔ میں اس وقت اس کا اعادہ نہیں کروں گا' صرف دو شعر آپ کو سنا کر آگے چلتا ہوں: ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمین افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

یعنی تمہارے تمام دکھوں اور مصیبتوں کا علاج تمہاری بغل میں موجود ہے' تم کہاں در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہو اور کہاں کہاں تم نے دستِ سوال دراز کر رکھا ہے! کہیں نظریات کی بھیک مانگ رہے ہو' کہیں نظامِ سیاست وحکومت کی بھیک مانگ رہے ہو' کہیں معاشرت ومعیشت کے اصولوں کی بھیک مانگ رہے ہو' کہیں اسلحہ کی بھیک مانگ رہے ہو' کہیں اقتصادی امداد کا کشکول ہاتھ میں لے کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہو۔ ملوک وسلاطین اور صدور واُمراء کے آگے ہاتھ پھیلا رہے ہو' حالانکہ تمہاری اصل دولت اور تمہاری تمام بیماریوں کا علاج تمہاری اپنی بغل میں موجود ہے ع ''در بغل داری کتاب زندۂ!'' اور وہ ہے قرآنِ مجید' فرقانِ حمید۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب.....

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کریں کیا؟ اس قرآن حکیم کا اذہان وقلوب میں نفوذ کیسے ہو؟ میں پھر عرض کر رہا ہوں کہ صرف قرآن کا علم کافی نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے اور اس کی بھی بڑی تاثیر ہے۔ میں تو یہ بھی مانتا ہوں کہ اگر کہیں صرف صحیح پڑھنے والا شخص قرآن پڑھ رہا ہو تو قرآن کا جو اپنا ایک ملکوتی غنا ہے' اس کی اپنی جو ملکوتی موسیقی ہے' پڑھنے والا صرف اسے بروئے کار لا سکے تو اس میں بھی بڑی تاثیر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ چاہے' نہ

پڑھنے والا سمجھ رہا ہو اور نہ سننے والا کہ کیا کہا جا رہا ہے' پھر بھی اس میں تاثیر ہے' اس لیے کہ یہ مالک ارض وسما کا کلام ہے اور اس کا ایک ملکوتی صوتی اثر (Divine sound effect) ہے۔ انسان کی روح اس ملکوتی کلام کے اثرات سے ہم آہنگ ہے۔ اس سے آگے یہ ہے کہ انسان قرآنِ مجید کی ناظرہ تلاوت کر رہا ہو' ترجمہ سے استفادہ کر رہا ہو' یہ عمل بھی متاثر کرے گا۔ لیکن ایک عمل ہے ذہن وفکر اور عقل وشعور کے ذریعے قرآن حکیم کو قلوب میں اُتارنا۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

علامہ اقبال نے بڑی پیاری بات ایک اور شعر میں کہی ہے کہ ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لَا اِلٰہ اِلَّا
لغت غریب' جب تک تیرا دل نہ دے گواہی!

عالمِ عرب کی زبان عربی ہے' اس حقیقت سے کون واقف نہیں۔ لیکن کیا اس وقت ان میں باطل نظریات موجود نہیں ہیں؟ کیوں موجود ہیں؟ —— قرآن مجید عربی زبان میں ہے جو ان کی مادری زبان ہے۔ وہ تو اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ دقت تو ہمارے سمجھنے میں پیش آتی ہے' کیونکہ عربی ہماری مادری زبان نہیں ہے —— اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ باطل نظریات اور باطل فلسفوں کا ایک غلاف اور ایک خول ہے جو ذہنوں پر چڑھا ہوا ہے۔ یہ فضا میں معلق گرد وغبار (dust suspension) ہے جسے ہر شخص inhale کر رہا ہے اور ان باطل نظریات کی غبار آلود فضا میں سانس لے رہا ہے اور نتیجتاً یہ نظریات ہمارے اذہان میں' ہمارے فکر میں اور ہمارے قلوب میں سرایت کرتے رہتے ہیں اور ان کا جزو بنتے رہتے ہیں۔ اس سے ہماری اقدار (value) متعین ہوتی ہیں اور اس غبار نے ہمارے دلوں پر اسی طرح کا حجاب ڈال دیا ہے جیسے یہودی نبی اکرم ﷺ سے استہزاءً کہا کرتے تھے: ''قُلُوْبُنَا غُلْفٌ'' اے محمدؐ! آپ ہم پر کتنی ہی تبلیغ کر لیں' ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں' وہ بڑے محفوظ ہیں' ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اس بات کو سمجھ لیجئے کہ دراصل انسان کے فکر اور ارادے پر باطل نظریات کے غلاف پڑ چکے ہوں۔ جب تک ان غلافوں کو پھاڑ نہیں دیا جائے گا' جب تک ان کا پردہ چاک نہیں ہوگا' جب تک ان کی مرعوبیت' جو اذہان پر مستولی ہے' وہ ختم نہیں ہوگی' قرآن مجید اندر

نہیں اترے گا —— اور جب تک اندر نہیں اترے گا' کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اس بات کو مثبت انداز میں علامہ اقبال نے یوں کہا ہے ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یہاں علامہ نے ''جان کے اندر'' کہا ہے' جبکہ اردو شعر میں ''ضمیر'' کہا تھا ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی' نہ صاحبِ کشّاف

ضمیر باطن اور چھپی ہوئی حقیقت کو کہتے ہیں۔ جان بھی باطن کے حقائق کی ایک تعبیر ہے۔ ہماری عقل' ہمارا فکر' ہمارا قلب اور ہماری روح مخفی حقیقتیں ہیں' یہی اصلاً جان ہے۔ وہاں تک اگر قرآن حکیم کی حکمت اور اس کے فطری استدلال کی رسائی نہ ہوئی تو ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں!

اس تمام گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ فرد کی اصلاح کا معاملہ ہو یا پورے معاشرے کی اصلاح کا سوال ہو تو اس کے لیے اصل ضرورت ہے ایمان —— اور ایمان کا سرچشمہ اور منبع ہے قرآن مجید۔ پھر قرآن کی صرف تعلیم وتدریس ہی نہیں' بلکہ اس کے حکم اور اس کے فطری وبدیہی استدلال کا اذہان سے قلوب میں نفوذ ضروری ہے۔ ایسا نفوذ کہ اس کی حقانیت پر فکر ونظر اور عقل وشعور مطمئن ہوں اور ان ذرائع سے یہ اطمینان قلب وروح میں اُتر جائے۔ پھر دل گواہی دے کہ یہ قرآن حق ہے اور قلب ونظر کی کیفیات یہ ہو جائیں کہ:

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ﴾ (البقرۃ:۲۶)

''تو جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ یقیناً حق ہے اُن کے ربّ کی طرف سے۔''

اور

﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾ (بنی اسرائیل:۱۰۵)

''اور اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔''

(جاری ہے)

شکر کا مفہوم اور اس کی وسعت

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

منعم کی عطا کردہ نعمتوں اور احسانات کا اعتراف کرنا اور اس پر اس کی تعریف کرنا اور احسان مند ہونا شکر کہلاتا ہے۔ سب سے بڑا منعم اور حقیقی محسن اللہ تعالیٰ ہے۔ پس ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسان پر بے پایاں ہیں اس لیے اس کا شکر بھی بے حد ادا کرنا واجب ہے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ صبر مصائب اور صدمات پر تحمل اور برداشت کا نام ہے اور شکر خوشگوار اور سازگار حالات پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا ہے مگر اس اندازِ فکر میں جامعیت نہیں ہے۔ صبر جس طرح مصائب اور مشکلات میں ضروری ہے اسی طرح خوشی اور مسرت کے مواقع پر بھی صبر کرنا اور شرعی حدود کی پابندی کرنا لازم ہے۔ شکر کا بھی یہی معاملہ ہے کہ آسودگی، خوشحالی اور اچھی صحت پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کہ ایک نعمت چھن گئی ہے تو دوسری لاتعداد نعمتیں ایسی ہیں جن سے بندہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔

انسانی زندگی میں دکھ اور رنج بھی ہیں اور آرام اور خوشی بھی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلے سے ہوتا ہے۔ زندگی کو متوازن، پرسکون اور آسودہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ حالات کے مطابق صبر اور شکر کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ جس طرح صابر کو صبر کا صلہ اجر کی صورت میں ملتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور شکر کے اجر کے علاوہ بندے کی نعمتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ اس طرح صابر اور شاکر انسان ہر حال میں فائدہ ہی حاصل کرتا ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندۂ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ

(اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے، اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے''۔ (مسلم)

حقیقی محسن اور منعم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر دنیا کی زندگی میں لوگ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ جو بندہ کسی دوسرے کی ضرورت کے وقت اور مشکل میں مدد کرتا ہے یا کسی کام میں آسانی پیدا کرتا ہے تو اس کا احسان مند ہونا بھی اخلاقی خوبی اور اچھا عمل ہے۔ تو جب ایک شخص اپنے دوست کا احسان مند ہوتا ہے اور اظہارِ شکر کرتا ہے تو وہ دراصل اللہ ہی کا شکر گزار ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جس نے میرے ساتھ بھلائی کی ہے اس کو بھلائی کرنے کی توفیق بھی اللہ ہی نے دی ہے اور پھر اُسی نے احسان کرنے والے کے دل میں اس ضرورت مند کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ پیدا کیا ہے۔ اس طرزِ عمل سے بندہ خود سمجھ لیتا ہے کہ جب بندے کے معمولی سے احسان کا بدلہ بھی دیا جانا ایک اچھا عمل ہے تو منعمِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر و سپاس ادا کرنا کتنا ضروری ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ)) (رواہ الترمذی، عن ابی ھریرۃؓ) ''جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ غنی ہے اور حمید ہے۔ وہ صمد ہے، سب اس کے محتاج ہیں۔ جو اس کی عبادت کرتا ہے۔ دراصل وہ اپنا ہی فائدہ کرتا ہے۔ صبر کرنے اور شکر کرنے کا فائدہ بھی صابر اور شاکر کو ہی ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝۴۰﴾ (النمل) ''اور جو شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے، اور جو ناشکری کرتا ہے پس اللہ تو غنی اور کریم ہے''۔ یعنی اس کو تو اس بات کی حاجت نہیں کہ کوئی اس کا شکر ادا کرے۔ پھر شکر کا فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور شاکر کی نعمتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷﴾ (ابراھیم:۷) ''اور جب تمہارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں اور بھی دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب سخت ہے''۔ گویا جہاں شکر گزاری اجر کا باعث ہے ناشکری عذابِ خداوندی کو دعوت والی بات ہے۔

شکر گزاری کا رویہ عذاب کو ٹال دیتا ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہے: ﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝۱۴۷﴾ ''اگر تم (اللہ کے) شکر گزار

ہواور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اور اللہ تو قدر شناس دانا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ انسان کی شکر گزاری سے اس کی عقل وشعور کا ٹیسٹ لیتا ہے کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں حاصل کر کے انہیں اللہ کی مہربانی سمجھتا ہے یا اسے اپنی دانائی اور سمجھ داری کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک صحابی جب ملکہ بلقیس کا تخت آناً فاناً لے آیا تو سلیمانؑ نے تخت کے اس طرح آ جانے کو اللہ کا فضل قرار دیا۔ نہ اپنا فعل بتایا اور نہ اپنے صحابی کا۔ اسے اللہ کا فضل اور اپنی آزمائش جانا اور فرمایا: ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ﴾ (النمل: ۴۰) ’’یہ میرے رب کا فضل ہے‘ میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری!‘‘

چونکہ انسان سراسر اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور ہمہ وقت اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے دعا مانگتا ہے‘ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے‘ اس لیے شکر کا جذبہ بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتا ہے۔ ایک شکر تو کیا مؤمن تو ہر اچھا کام کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب معجزانہ طور پر چیونٹی کی آواز سنی تو اسے اپنا کمال نہ بتایا بلکہ اسے سراسر اللہ کی مہربانی کہا۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی کی توفیق مانگی اور کہا: ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۹﴾ (النمل: ۱۹) ’’اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا کر کہ جو احسان تو نے مجھ پر کیے ہیں اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر ادا کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔‘‘

دنیا کی چمک دمک میں الجھ کر بندہ مادی مصروفیات میں پڑ جاتا ہے۔ شیطان اسے دھوکہ دے کر دنیا کی زیب وزینت میں الجھائے رکھتا ہے اور بندہ فریب میں آ کر محسن حقیقی کے احسانات کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس طرح شیطان کو تو خوش کر دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو ناراض کر بیٹھتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۲۴۳﴾ (البقرۃ) ’’بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے‘‘۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر مہربان ہے لیکن ایسے بندے کثیر تعداد میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں مگر منعمِ حقیقی کو بھولے ہوئے ہیں۔

انسان پر کیسے ہی حالات طاری ہوں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ اگر اسے خوشی کے مواقع میسر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں‘ اور اگر وہ کسی کمی اور مصیبت میں گرفتار ہے تو بھی اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس سے بڑی مصیبت بھی آ سکتی تھی جس سے اسے اللہ نے بچایا ہوا ہے۔ نابینا بھی اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس کے پاس آنکھیں تو نہیں ہیں لیکن دوسرے کتنے اعضاء صحیح سالم ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ صحت مند انسان جب کسی مریض‘ معذور یا مصیبت زدہ کو دیکھے تو اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے صحت جیسی نعمت عطا کی ہے اور معذوری اور مصیبت سے بچایا ہوا ہے۔

شکر گزاری فطری جذبہ ہے۔ جس شخص میں یہ جذبہ نہیں ہے اس نے فطرت کو دبا رکھا ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ جس نے مشکل اور مصیبت میں اس کی مدد کی ہے اسے موقع ملے تو اس کے احسان کا بدلہ چکائے۔ انسان تو انسان جذبہ شکر گزاری حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ جس گائے‘ بھینس‘ گدھے‘ گھوڑے کو انسان نے پال رکھا ہے اور ان کو چارہ دیتا ہے‘ ان کی خدمت کرتا ہے تو وہ جانور بھی اس کے شکر گزار ہوتے ہیں اور اس کے اشاروں کو سمجھتے ہیں اور اس کی خدمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ ایک شخص کا جنگل سے گزر ہوا۔ اس نے وہاں ایک شیر دیکھا جو درد سے کراہ رہا تھا۔ وہ شخص اس کے قریب گیا۔ دیکھا تو شیر کے پاؤں میں کانٹا چبھا ہوا تھا۔ اس نے شیر کے پاؤں سے کانٹا نکال دیا۔ شیر نے دم ہلا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور اُس کے پاؤں چاٹنے لگا۔ اتفاق سے وہ شخص کسی جرم میں پکڑا گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس شخص کو بھوکے شیر کے پنجرے میں ڈال دیا جائے تاکہ وہ اس کو پھاڑ کھائے۔ چنانچہ اس شخص کو شیر کے پنجرے میں دھکیل دیا گیا۔ بھوکا شیر اس پر جھپٹا مگر فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہ وہی شیر تھا جس کے پاؤں سے اس شخص نے کانٹا نکالا تھا۔ شیر نے اپنے محسن کو پہچان لیا اور اسے کچھ نہ کہا۔

حکایت ہے کہ ایک شخص کو درندے نے زخمی کر دیا۔ وہ بے یار و مددگار بیٹھا اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔ کسی شخص نے دیکھا تو پوچھا کہ یہ شکر گزاری کا کون سا موقع ہے؟ اُس نے جواب دیا: شکر اس بات پر کر رہا ہوں کہ مجھے درندے نے زخمی کیا ہے‘ رب نے مجھے شیطان کے حملے سے محفوظ رکھا ہے۔

غالباً شیخ سعدیؒ کا واقعہ ہے کہ وہ سفر میں تھے کہ ان کا جوتا بوسیدہ ہو کر ٹوٹ گیا اور انہیں

ننگے پاؤں پا پیادہ چلنا پڑا۔ اس پر ان کے دل میں شکایت پیدا ہوئی کہ پروردگار! مجھ غریب الدیار کو یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ چلتے چلتے انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے دونوں پاؤں نہیں تھے اور وہ گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر چل رہا تھا۔ اس پر مسافر نے اپنی شکایت پر استغفار کیا اور صمیم قلب سے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے تمام اعضائے جسمانی صحیح سالم ہیں۔

راقم نے خود اپنی آنکھوں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ نہیں تھے۔ وہ مسجد میں وضو کر رہا تھا اور اپنے دونوں پیروں سے ہاتھوں کا کام لے رہا تھا۔ پاؤں کی انگلیوں کے ساتھ مسواک پکڑ کر دانت صاف کر رہا تھا۔ عبرت کا مقام ہے کہ اس قدر معذوری کے باوجود وہ بندہ کلمہ شکر الحمد للہ ادا کر رہا ہے اور نماز پڑھ رہا ہے۔ جب کہ کثیر تعداد میں بھلے چنگے تنومند افراد ناشکری کی راہ پر گامزن ہیں اور اپنا سر ربّ العزت کی بارگاہ میں نہیں جھکاتے۔

خداداد نعمتیں تو بے شمار ہیں۔ کیا ہمارے لیے یہ نعمت کم ہے کہ اس نے ہمیں دولت ایمان سے نوازا اور رسولِ مقبول ﷺ کا اُمتی بنایا۔ **فالحمد للّٰہ علٰی ذٰلک!**

❁❁❁

امت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن کی جامع ترین سورت

سُورۃُ الحدید

(اُمُّ المُسَبِّحات) کی مختصر تشریح

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 300 روپے، اشاعت عام 150 روپے

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاھور

قرآن اکیڈمی، 36کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 03-35869501(042)
فیکس: 35834000(042) ای میل: maktaba@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

بخل: روحانی بالیدگی میں رکاوٹ

حافظ محمد مشتاق ربانی

بخل ایک روحانی بیماری ہے جو صفاتِ رذیلہ میں سے ہے۔ یہ ترقیٔ درجات میں بھی رکاوٹ ہے۔ بخیل اپنی ذات کا بھی دشمن ہوتا ہے اور معاشرے کا بھی۔ بخیل کی معاشرے میں کوئی عزت نہیں ہوتی۔ وہ مال کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے حالانکہ مال کے بارے میں تو ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے:

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست درحقیقت مالکِ ہر شے خداست!

یعنی مال و دولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہے جو انسان کے سپرد کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ جو مال میں نے اپنے بندے کو دیا ہے' کیا وہ اس کو میرے بتائے ہوئے راستے میں خرچ کرتا ہے یا وہ اس کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتا ہے۔ بخل مال کے حوالے سے تفریط ہے۔ اس کا افراط کا پہلو تبذیر اور اسراف ہے' ان دونوں سے بچنا چاہیے۔ سورۃ الہمزہ کا موضوع بخل کی مذمت ہے اور سورۃ التکاثر کا موضوع اسراف کی مذمت ہے۔ سورۃ الہمزہ میں ﴿الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲﴾ مذکور ہوا ہے جس سے بخل ثابت ہو رہا ہے' اور سورۃ التکاثر کے آخر میں ﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝۸﴾ وارد ہوا ہے' جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسراف کے حوالے سے وعید ہے۔

صاحبِ نصاب ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ ادا نہ کرنا بخل میں شامل ہے۔ جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے قرآن حکیم میں سخت وعید آئی ہے' قیامت کے دن ایسے لوگوں کے اعضاء کو داغا جائے گا۔ بخل کے حوالے سے قارون کا کردار بطور مثال قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس سے کہا گیا کہ اپنے مال کے ذریعہ سے اپنی آخرت سنوار لو۔ اس نے اس حقیقت کو نہ جانا اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ اس کا یہ خوفناک انجام بخل کی وجہ سے ہوا۔ اُس وقت کے بعض لوگ جو اس کے مال و دولت کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے' اب اس کے انجامِ بد سے خود کو بچانے کے لیے دعائیں کرنے

لگے۔ بخل کی مذمت میں کئی احادیث ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے: ((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا بَخِیْلٌ وَلَا مَنَّانٌ)) (رواہ الترمذی) ''جنت میں داخل نہ ہوگا دھوکے باز اور نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا''۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سخاوت اور دیگر صفاتِ ملکیہ کو رحمتِ الٰہیہ کے بڑے بڑے دروازے قرار دیا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ' ص: ۳۶۳۔ طبع: دارالاشاعت' کراچی)

اللہ تعالیٰ بار بار اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ وہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۱۹﴾ (الذّٰریٰت) ''اور ان کے مالوں میں سائلین اور محرومین کا حق ہے''۔ جو امیر آدمی غریبوں میں دولت تقسیم کرتا ہے وہ ان پر احسان نہیں کرتا' بلکہ دراصل ان کا حق ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اہل ایمان کی یہ صفت ہے کہ وہ دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ خود بھوکے رہ جاتے ہیں لیکن حاجت مندوں کی ضروریات کا ہر قیمت پر خیال رکھتے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی اتنی دیکھ بال کی کہ اپنے بچوں کو بھوکا نیند کے سپرد کر دیا لیکن مہمان کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ دراصل وہ لوگ سمجھتے تھے کہ اصل مقام جنت ہے جو اس طرح کی مثالیں قائم کرنے سے حاصل ہوگی۔

بخل کے مفہوم میں قرآن حکیم میں کلمہ ''شُح'' بھی وارد ہوا ہے۔ سورۃ الحشر میں ارشاد ہوا: ﴿وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۹﴾ ''اور جو شخص اپنے جی کے لالچ سے بچا لیا گیا تو یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں''۔ مال کا حریص ہونا ہر اعتبار سے خطرناک ہے۔ ایسے لوگ دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ وہ خود بھی اپنی دولت سے پوری طرح مستفید نہیں ہوتے۔ قارون سے یہی کہا گیا تھا: ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا﴾ (القصص: ۷۷) ''اور دنیا میں جو تیرا حصہ بنتا ہے اس کو مت بھول'' گویا وہ خود بھی اپنی دولت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا۔

سورۃ القلم میں جس باغ کے اجڑنے کا ذکر ہے' اس کا بھی یہی حال تھا۔ جن کا وہ باغ تھا' وہ غریبوں اور مساکین کو اس میں سے کچھ بھی دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگر وہ اس میں سے محتاج لوگوں کو دیتے رہتے تو ان کا باغ سلامت رہتا۔ وہ اس باغ کا پھل توڑنے کے لیے علی الصبح گئے تاکہ کوئی مانگنے والا سوال نہ کرے۔ جب انہوں نے باغ کو اجڑا ہوا دیکھا تو کہنے لگے: ہم ہی ظالم ہیں اور ہم میں طغیانی یعنی سرکشی پیدا ہوگئی ہے۔ فصل میں برکت اور اس کی پیداوار بڑھانے کے لیے عشر (پیداوار کی زکوٰۃ) کی ادائیگی کرنی چاہیے۔ یہ بارانی زمینوں

کے لیے دسواں حصہ اور نہری زمینوں کے لیے بیسواں حصہ ہے جو دسویں حصہ سے نصف ہے‘ اس کی ادائیگی سے شکر کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کا گوشت تقسیم کر دیا گیا۔ صرف ایک دستی باقی رہ گئی۔ آقا علیہ السلام نے اس کے بارے میں استفسار فرمایا تو آپؐ کو بتایا گیا کہ اس میں سے سوائے ایک دستی کے کچھ باقی نہیں بچا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’سارا گوشت ہی بچ گیا سوائے اس دستی کے!‘‘ یعنی جو گوشت اللہ کے راستے میں تقسیم کر دیا گیا ہے‘ دراصل وہ باقی بچا ہے‘ کیونکہ وہ آخرت میں کام آنے والا ہے اور جو کتف (دستی) کی شکل میں موجود ہے اور اسے ہم کھا لیں گے‘ وہ حقیقت میں ختم ہو گیا ہے۔ یہ نقطۂ نظر تب پیدا ہوتا ہے جب آخرت مقدم ہو۔ سخاوت سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔

احادیثِ نبویؐ میں بخل کو بہت برا جانا گیا ہے۔ بخل کا تعلق صرف مال سے ہی نہیں بلکہ علم سے بھی ہے۔ اہلِ علم حضرات کو بغیر کسی لالچ کے علم کو آگے پہنچانا چاہیے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے حق کو پہنچانے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ نبی مکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾﴾ (التکویر) ’’اور وہ غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں ہیں‘‘۔ آپؐ کی وساطت سے ہر مسلمان پر حق پہنچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس میں علماء‘ مفتیانِ کرام اور اساتذہ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کتمانِ علم سے بچیں اور ان کے پاس جو علم ہے‘ اس کو بلا کم و کاست آگے پہنچائیں۔ وقت بھی دولت ہے‘ اس دولت کو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لیے صرف کرنا چاہیے۔ اگر ہم اپنا وقت دین اسلام کے لیے نہیں نکالتے تو دراصل بخل کر رہے ہیں۔ بخل کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ کسی کے سامنے سید الرسل ﷺ کا نام لیا جائے تو وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے۔ حدیث مبارکہ ہے: ((اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)) (رواہ احمد و ابن حبان) ’’وہ شخص بخیل ہے کہ جس کے سامنے میرا نام لیا جائے تو وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔‘‘

ایک شخص صاحبِ عیال ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہوا ہے لیکن وہ اپنے اہل و عیال پر ضرورت سے کم خرچ کرتا ہے تو اس کا یہ رویہ بھی بخل پر مبنی ہے۔ اسی طرح اپنی ذات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ انسان کے جسم کا بھی اس پر حق ہے۔ اگر وہ اپنے جسم کا حق ادا نہیں کرتا تو وہ لاغر اور بیمار ہو جائے گا۔

اسی طرح عاریتاً کوئی چیز دینے سے گریز کرنا بخل پر مبنی رویہ ہے۔ اسی بات کو سورۃ الماعون میں ﴿وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿٧﴾﴾ کے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں کے پاس چیزیں موجود ہوتی ہیں لیکن کوئی دوست یا ہمسایہ کوئی چیز عاریتاً لینے کے لیے آ جائے تو دینے سے صاف انکار کر دیتے ہیں یا نہ ہونے کا بہانہ کرتے ہیں‘ یہ بہانہ بھی جھوٹ ہے۔ آج کل اکثر و بیشتر حضرات اس بہانے کا سہارا لیتے ہیں۔

بخل کے بارے میں امام ابن تیمیہؒ کا نقطۂ نظر ’’مجموع فتاویٰ‘‘ میں ایک خاص پہلو سے ہے۔ وہ بخل کو امراض القلوب (دل کی بیماریاں) میں سے گردانتے ہیں۔ انہوں نے بخل اور حسد کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے‘ بلکہ حسد کو بخل سے بھی بڑا شر بتایا ہے۔ بخیل صرف اپنی ذات کا سوچتا ہے جبکہ حاسد اللہ کی نعمتوں سے کراہیت کا اظہار کرتا ہے جو اللہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ (ابن تیمیہ‘ مجموع فتاویٰ‘ جلد ۱۰‘ علم السلوک‘ ص ۱۲۸)

لوگ اپنی دنیوی ضروریات اور تعیّشات کے لیے بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ اب تو آن لائن شاپنگ رواج پا چکی ہے۔ بلیک فرائڈے اور دیگر ناموں سے آن لائن شاپنگ سنٹر ہیں‘ جن سے کثیر تعداد میں لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ انہیں یہ بھی چاہیے کہ وہ اپنے اردگرد محتاج لوگوں کا بھی زیادہ خیال رکھیں۔ ان پر خرچ کر کے انہیں معاشرے کا باوقار شہری بنائیں۔ اقامتِ دین کے لیے خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ کی ایک اہم مد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کی ہوئی دولت ضائع نہیں جائے گی‘ بلکہ اللہ تعالیٰ بہتر شکل میں اس کو لوٹائے گا۔ اگر خرچ کرنے والا حسنِ نیت اور اخلاص سے کرے گا تو اللہ تعالیٰ سات سو گنا سے بھی زیادہ اجر بڑھا دے گا۔ گویا اجر و ثواب کا تعلق خلوص اور موقع کی نزاکت پر ہے۔ اگر ایک موقع نہایت اہم اور اس پر فوری خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ پر خرچ کرنے کا اجر بھی بہت بڑھا دیتا ہے۔

صوفیاء حضرات کے ہاں بھی بخل کی بہت مذمت کی گئی ہے‘ کیونکہ یہ ایک مضر روحانی بیماری ہے۔ اس کی وجہ سے روحانی بالیدگی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ تزکیۂ نفس کے موضوع پر لکھی جانے والی تقریباً سبھی کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ جاحظ عربی ادب کی ایک اہم شخصیت ہے‘ اس کی ایک مشہور کتاب ’’کتابُ البخلاء‘‘ ادب پر ہے‘ لیکن اس میں دلچسپ انداز میں بخلاء کے نوادر قصے بھی موجود ہیں۔

❁❁❁

غیبت کی حرمت وشناعت اور علاج (۲)

جمیل الرحمٰن عباسی ☆

غیبت کا حکم

گناہوں کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں: صغائر اور کبائر۔ صغیرہ گناہ وہ ہیں جن کی معافی کو اللہ تعالیٰ نے ادائے حسنات سے جوڑ دیا اور ان کی معافی کے لیے توبہ کو لازمی شرط نہیں ٹھہرایا' بلکہ مختلف نیک کام کرنے سے یہ معاف ہوتے رہتے ہیں' جبکہ کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ کو لازمی شرط قرار دیا ہے اور یہ محض نیکیوں کی برکت سے معاف نہیں ہوتے۔ غیبت کی سنگینی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کا شمار کبیرہ گناہوں میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام احمد بن محمد ابنِ حَجَر الهَيْتَمی (م:۹۷۴ھ/۱۵۶۷ء) نے اپنی کتاب 'الزواجر عن اقتراف الکبائر' میں اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نے 'الکبائر' میں غیبت کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔

امام قرطبیؒ سورۃ الحجرات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لا خلاف ان الغيبة من الكبائر، وان من اغتاب احدا عليه ان يتوب إلى الله عز وجل

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غیبت کبائر میں سے ہے' اور جو بھی کسی کی غیبت کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرنا لازم ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲﴾ (الحجرات)

''اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ

☆ معاون ناظم تعلیم وتربیت تنظیم اسلامی پاکستان

بھائی کا گوشت کھائے؟ اسے تو تم ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً اللہ توبہ قبول فرمانے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

اس آیت میں غیبت سے روکنے کے لیے نہی کا صیغہ وارد ہوا ہے جو کہ حرمت پر دلالت کرتا ہے اور پھر غیبت کو مردہ انسان کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا جو اپنی حرمت کے اعتبار سے کبیرہ گناہ ہے۔ اس تشبیہ کے حوالے سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حَرَّمَ اللّٰهُ اَنْ يُغْتَابَ الْمُؤْمِنُ بِشَيْءٍ كَمَا حَرَّمَ الْمَيْتَةَ (تفسیر ابن ابی حاتم)

''اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردار کھانا حرام قرار دیا ہے اسی طرح مؤمن کی کسی قسم کی غیبت کرنا حرام قرار دے دیا''۔ پس چونکہ انسان کا گوشت کھانا کبیرہ گناہ ہے اسی طرح غیبت بھی کبیرہ گناہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبَا الِاسْتِطَالَةُ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ)) (۲۶)

''کسی مسلمان کی عزت میں ناحق حرف گیری کرنا سود سے بھی بڑا گناہ ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں غیبت کو سود سے بڑا گناہ قرار دیا اور سود لینا دینا کبیرہ گناہ ہے۔ اس سے بھی غیبت کا کبیرہ گناہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روایت کے الفاظ زیادہ واضح ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اسْتِطَالَةَ الْمَرْءِ فِي عِرْضِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ)) (۲۷)

''بے شک کسی بندۂ مسلم کی عزت میں ناحق زیادتی کرنا کبیرہ گناہوں میں سے بھی بڑا گناہ ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ)) (۲۸)

''ہر مسلم کا خون' مال اور عزت و وقار دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمانِ مقدس میں بندۂ مسلم کی عزت (عرض) کی حرمت کا ذکر جان اور مال کی حرمت کے ساتھ کیا' لہٰذا مسلمان کی عزت پامال کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے اور غیبت پامالیٔ عرض ہی کی ایک صورت ہے' جیسا کہ حدیثِ معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مبتلائے عذاب لوگوں کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا گیا:

((هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَاْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ، وَيَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ)) (۲۹)

''یہ وہ لوگ ہیں جو انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزتوں میں جا پڑتے تھے۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت لوگوں کی پامالیٔ عرض وعزت میں شامل ہے اور اسی بنا پر حرام اور کبیرہ گناہ ہے' کیونکہ مؤمن کی عزت اُس کی جان اور مال کے برابر محترم ہے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((فَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا))(۳۰)

''پس بے شک تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اس شہر (مکہ) میں اس دن (یوم عرفہ) اور اس مہینے (ذوالحجہ) کی طرح حرام ہیں۔''

حضرت ابو برزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ قَلْبَهُ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ)) (۳۱)

''اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا' مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو۔''

آپ ﷺ کے اس فرمان کی رو سے غیبت ایمان کے منافی عمل ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والے ایمانِ حقیقی سے محروم ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَصْحَابِهٖ: ((اَتَدْرُوْنَ اَزْنَى الزِّنَا عِنْدَ اللّٰهِ؟)) قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: ((فَاِنَّ اَزْنَى الزِّنَا عِنْدَ اللّٰهِ اسْتِحْلَالُ عِرْضِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ)) ثُمَّ قَرَاَ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۸﴾ (الاحزاب) (۳۲)

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو اللہ کے نزدیک زنا سے بدترین چیز کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک زنا سے بڑی برائی کسی بندۂ مسلم کی ہتک عزت ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: ''اور وہ لوگ جو مؤمن مرد وزن کو اذیت دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی گناہ کمایا ہو پس انہوں نے اٹھایا بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ۔''

اگرچہ اس فرمانِ نبویؐ میں ہتکِ عزت سے اصل مراد بہتان تراشی ہے' جیسا کہ آیت

مبارکہ کے استشہاد سے اندازہ ہوتا ہے' البتہ چونکہ غیبت ہتکِ عزت کی ایک قسم ہے اس لیے بعض مفسرین مثلاً ابن کثیرؒ نے 'تفسیر القرآن العظیم' میں اور احمد بن مصطفیٰ المراغیؒ (م:۱۳۷۱ء) نے 'تفسیر المراغی' میں سورۃ الاحزاب کی آیت مندرجہ بالا کے ذیل میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد غیبت کی تعریف پر مشتمل دوسری احادیث بھی نقل کی ہیں۔ محمد رشید رضا (م:۱۳۵۴ھ) نے 'تفسیر المنار' میں اور ڈاکٹر وہبۃ بن مصطفیٰ الزحیلی (م:۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۵ء) نے 'التفسیر المنیر' میں ہتکِ عزت یا ایذائے مذکورہ کی ایک قسم کے طور پر صراحت سے غیبت کا ذکر کیا ہے۔

غیبت کے الفاظ کی کراہت

جس طرح مادّی اشیاء کے ظاہری اور باطنی خواص ہوتے ہیں اسی طرح معنوی چیزوں کے بھی خواص ہوتے ہیں' اگرچہ یہ خواص حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کیے جا سکتے لیکن ان کے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ جس طرح انسان اچھی آواز کو پسند کرتا اور بری آواز سے دُور بھاگتا ہے' اسی طرح وہ کلمات جو کسی انسان کے لیے اچھے جذبات اور اس کی خوبیوں کے اعتراف پر مشتمل ہوں دوسرے انسانوں کو بھی محظوظ کرتے ہیں اور صحیح الفطرت لوگ انہیں پسند کرتے اور ان کلمات کے ادا کرنے والے سے اُنس محسوس کرتے ہیں۔ جب کہ وہ گفتگو جو دوسروں کی ناجائز تنقیص وتوہین پر مشتمل ہو' نہ صرف متاثرہ شخص بلکہ تمام ہی سلیم الفطرت لوگوں کی بیزاری اور تنفر کا باعث بنتی ہے۔ ایک بار سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے غیبت سرزد ہو گئی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

((لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ))(۳۳)

''یقیناً تم نے ایسے الفاظ ادا کیے ہیں جو اگر سمندر میں ملائے جائیں تو اسے بھی خراب کر دیں۔''

چنانچہ انہی اثرات کی بدولت غیبت کرنے والے انسان کو دوسرے لوگ گھٹیا ذوق اور ردّی اخلاق کا مالک' حاسد اور بدطینت انسان سمجھتے ہیں۔ پس انسان کو سوچنا چاہیے کہ غیبت کرنے سے لوگوں کے درمیان اس کی شخصیت کا غلط اور گھناؤنا تاثر پھیل جائے گا۔ غیبت کے اس قسم کے اثرات کے ساتھ غیبت کے الفاظ کی ایک بدبو بھی ہوتی ہے' شاید اسی کی وجہ سے غیبت اپنے سامع کے تنفر اور اکتاہٹ کا باعث بنتی ہے۔ یہ بدبو عام انسان تو سونگھ نہیں سکتے' البتہ اللہ تعالیٰ

اس طرح کے معنوی حقائق کو مادّی صورت میں اپنے خاص بندوں کو دکھا دیتے ہیں' تا کہ عام انسانوں کو ان حقائق پر یقین حاصل ہو سکے' جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کو وَبا مکروہ شکل بڑھیا کے روپ میں دکھائی گئی' یا جیسے سیدنا اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کو تلاوتِ قرآن کی سکینت ایک بدلی کی صورت دکھائی گئی۔ اسی طرح سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ اتنے میں بدبودار ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذِهِ الرِّيحُ؟ هٰذِهِ رِيحُ الَّذِينَ يَغْتَابُونَ الْمُؤْمِنِينَ))(۳۴)

''کیا تم جانتے ہو یہ ہوا کیسی ہے؟ یہ ان لوگوں کی ہوا ہے جو مؤمنین کی غیبت کر رہے ہیں۔''

اور دوسری روایت میں ہے:

((قَوْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِينَ اغْتَابُوا أُنَاسًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ))(۳۵)

''منافقین کا ایک گروہ کچھ مسلمانوں کی غیبت کر رہا ہے (اسی سبب یہ ہوا بھیجی گئی)۔''

اس سے معلوم ہوا کہ غیبت کے اَلفاظ کی ایک بدبو ہوتی ہے' جس کے اثرات بغیر سونگھے ظاہر ہوتے ہیں۔ پس یہ غیبت اور الفاظِ غیبت کی کراہت کا ثبوت ہے۔ لہٰذا اس مکروہ چیز کی کراہت کو یاد رکھتے ہوئے اس سے بچنا چاہیے۔

غیبت ایک زنانہ مرض ہے

شارح مشکوٰۃ علامہ شرف الدین طیبی (م: ۷۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ غیبت کرنے والوں کو ایک سزا یہ دی جائے گی کہ وہ اپنے ناخنوں سے اپنے چہرے اور سینے کو نوچیں گے۔ غم و صدمے کے وقت اپنے چہرے اور سینے کو نوچنا اصل میں خواتین کی عادت ہے اور اہل غیبت کو اس قسم کی سزا کی وعید سنانے سے اس طرف اشارہ کرنا مطلوب ہے کہ غیبت اور لوگوں کی عزتوں میں حرف گیری کرنا دراصل خواتین کی عادات میں سے ہے۔ ایسی ہی بات علامہ احمد جاوید صاحب نے لکھی ہے کہ: ''غیبت دراصل ایک زنانہ مرض ہے اور مخلوط معاشرت میں اختلاطِ زن سے یہ مرض مردوں کو لاحق ہو گیا ہے''۔ یہ بات اس لیے بھی وزنی نظر آتی ہے کہ جفاکش اور بہادر لوگوں کے ہاں غیبت کم پائی جاتی ہے' جبکہ اس کے برعکس بزدل و متساہل لوگوں میں یہ صفت قبیح زیادہ پائی جاتی ہے۔ (واللہ اعلم!)

غیبت انسانی گوشت کھانے کے برابر ہے

قرآن حکیم نے غیبت کے لیے ایسی تشبیہ استعمال کی ہے جو بہت ہی قابلِ نفرین ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ﴾(الحجرات:۱۲)

''اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اسے تو تم ناپسند کرتے ہو''۔

مولانا محمد اسلم صدیقی صاحب اپنے رسالے ''غیبت کے نقصانات'' میں لکھتے ہیں:

''اس مثال میں غیبت کرنے والے کو کتے سے تشبیہ دی گئی ہے' کیونکہ کتا ہی ایک ایسا جانور ہے جو اپنے ساتھی کتے کی لاش کھا لیتا ہے۔''(۳۶)

اس تشبیہ سے مقصود یہی ہے کہ انسان اس بری عادت سے نفرت کریں۔ اس طرح نفرت پیدا کرنا اس کے علاج میں بھی معاون ہے۔ سیرت کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ غیبت جیسی اخلاقی بیماریوں سے نفرت پیدا کرنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ رَجُلٌ، فَوَقَعَ فِيهِ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((تَخَلَّلْ))، فَقَالَ: وَمَا أَتَخَلَّلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَكَلْتُ لَحْمًا؟ فَقَالَ: ((إِنَّكَ أَكَلْتَ لَحْمَ أَخِيكَ))(۳۷)

ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس موجود تھے کہ ایک آدمی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جانے کے بعد ایک آدمی اس کی غیبت کرنے لگا۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اپنے دانتوں میں خلال کرو''۔ اُس شخص نے کہا: یا رسول اللہ میں کس وجہ سے خلال کروں' کیا میں نے گوشت کھایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ تو نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے۔''

عَنْ عُبَيْدٍ، مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ امْرَأَتَيْنِ كَانَتَا صَائِمَتَيْنِ، فَكَانَتَا تَغْتَابَانِ النَّاسَ، فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِقَدَحٍ، فَقَالَ لَهُمَا: قِيئَا، فَقَاءَتَا قَيْحًا وَدَمًا وَلَحمًا عَبِيطًا، ثُمَّ قَالَ: ((إِنَّ هَاتَيْنِ صَامَتَا عَنِ الْحَلَالِ وَأَفْطَرَتَا عَلَى الْحَرَامِ))(۳۸)

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سیدنا عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو عورتوں نے

روزہ رکھا ہوا تھا اور وہ لوگوں کی غیبت کیا کرتی تھیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا اور ان سے کہا کہ اس میں قے کرو۔ پس انہوں نے قے کی تو پیپ' خون اور گوشت کے لوتھڑے برآمد ہوئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے تو روزہ رکھا لیکن اللہ کی حرام کردہ چیز پر افطار کرلیا۔''

عَنْ شَيْخٍ عَنْ عُبَيْدٍ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ صَامَتَا وَاَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ هَاهُنَا امْرَاَتَيْنِ قَدْ صَامَتَا، وَاِنَّهُمَا قَدْ كَادَتَا اَنْ تَمُوتَا مِنَ الْعَطَشِ، فَاَعْرَضَ عَنْهُ اَوْ سَكَتَ، ثُمَّ عَادَ، وَاُرَاهُ قَالَ: بِالْهَاجِرَةِ، قَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، اِنَّهُمَا وَاللّٰهِ قَدْ مَاتَتَا اَوْ كَادَتَا اَنْ تَمُوتَا، قَالَ: ((ادْعُهُمَا))، قَالَ: فَجَاءَتَا، قَالَ: فَجِيءَ بِقَدَحٍ اَوْ عُسٍّ، فَقَالَ لِاِحْدَاهُمَا: ((قِيئِي))، فَقَاءَتْ قَيْحًا وَدَمًا وَصَدِيدًا وَلَحْمًا حَتّٰى قَاءَتْ نِصْفَ الْقَدَحِ، ثُمَّ قَالَ لِلْاُخْرٰى: ((قِيئِي)) فَقَاءَتْ مِنْ قَيْحٍ وَدَمٍ وَصَدِيدٍ وَلَحْمٍ عَبِيطٍ وَغَيْرِهِ حَتّٰى مَلَاَتِ الْقَدَحَ، ثُمَّ قَالَ: ((اِنَّ هَاتَيْنِ صَامَتَا عَمَّا اَحَلَّ اللّٰهُ لَهُمَا، وَاَفْطَرَتَا عَلٰى مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا، جَلَسَتْ اِحْدَاهُمَا اِلَى الْاُخْرٰى، فَجَعَلَتَا تَاْكُلَانِ لُحُومَ النَّاسِ))(۳۹)

ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سیدنا عبید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ دو خواتین نے روزہ رکھا تو ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ! ان دو عورتوں نے روزہ رکھا ہوا ہے اور پیاس کا یہ حال ہے کہ مرنے کے قریب ہیں۔ آپ ﷺ نے اعراض فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ اس شخص نے یہی بات دہرائی اور کہا کہ اے اللہ کے نبی' اللہ کی قسم' وہ عورتیں مرجائیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کو بلاؤ''۔ اب ایک پیالہ منگوایا گیا اور آپ ﷺ نے ان میں سے ایک سے کہا: ''اس میں قے کرو''۔ اُس نے قے کی تو اس سے خون' پیپ اور گوشت کی بوٹیاں برآمد ہوئیں' یہاں تک کہ نصف برتن بھر گیا۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری عورت کو حکم دیا تو اس نے بھی قے کی' پس اس سے بھی پیپ' خون اور گوشت کی بوٹیاں برآمد ہوئیں اور پیالہ بھر گیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ دونوں روزے میں اللہ کی حلال کردہ چیزوں سے تو رکی رہیں لیکن اللہ کی حرام کردہ چیز نوش کرتی رہیں۔ ان میں سے ایک دوسری کے پاس بیٹھ جایا کرتی تھی' پھر دونوں لوگوں کے گوشت کھانے میں مشغول ہوجایا کرتی تھیں۔''

محمد علی بن محمد بن علان الصدیقی الشافعیؒ (م: ۱۰۵۷ھ) لکھتے ہیں: ''غیبت کو گوشت کھانے سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح گوشت کھانے سے انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح غیبت کرنے سے نفس کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ غیبت میں گوشت کھائے جانے کو محض استعارہ نہیں سمجھنا چاہیے' بلکہ حدیث میں مذکور خواتین کے واقعہ کے مطابق اسے ظاہر پر محمول کرتے ہوئے حقیقت سمجھنا چاہیے۔''(۴۰)

محمد بن عبید الطنافسیؒ (م: ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ ہم سفیان الثوریؒ (م: ۱۶۱ھ) کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے پوچھا:

يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ، اَرَاَيْتَ هٰذَا الْحَدِيثَ الَّذِي جَاءَ: ((اِنَّ اللّٰهَ لَيُبْغِضُ اَهْلَ الْبَيْتِ اللَّحِمِيِّينَ)) الَّذِينَ يُكْثِرُونَ اَكْلَ اللَّحْمِ؟

''اے ابوعبداللہ! یہ بتائیے کہ حدیث پاک: ''بے شک اللہ تعالیٰ گوشت والے گھر کو ناپسند کرتا ہے'' تو کیا اس سے زیادہ گوشت کھانے والے مراد ہیں؟''

حضرت سفیانؒ نے فرمایا:

لَا' هُمُ الَّذِينَ يُكْثِرُونَ اَكْلَ لُحُومِ النَّاسِ

''نہیں' بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کا گوشت بکثرت کھاتے ہیں۔''(۴۱)

اس روایت میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' امام بیہقیؒ نے وہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی ضعیف روایت سے نقل کی ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْبَيْتَ اللَّحِمَ))

''اللہ تعالیٰ گوشت والے گھر کو ناپسند کرتا ہے۔''

راوی کہتے ہیں کہ میں نے مطرف بن سمرہؒ (تابعی) سے پوچھا کہ 'بیت لحم' سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: الَّذِي يُغْتَابُ فِيهِ النَّاس ''وہ گھر جس میں لوگوں کی غیبت کی جاتی ہے۔''(۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دو اشخاص کو ماعز بن مالکؓ کی غیبت کرتے سنا تو آپ ﷺ خاموش رہے' جب راستے میں ایک جگہ ایک گدھے کی سڑی ہوئی لاش دیکھی تو ان سے مخاطب ہوکر فرمایا:

((اُنْزِلَا فَكُلَا مِنْ جِيفَةِ هٰذَا الْحِمَارِ))

''تم دونوں اتر واور گدھے کی اس بدبودار لاش میں سے کھاؤ!''

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! اسے کون کھا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَمَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ اَخِيكُمَا آنِفًا اَشَدُّ مِنْ اَكْلٍ مِنْهُ))

''ابھی ابھی جو تم اپنے بھائی کی عزت پامال کر رہے تھے یہ لاش کھانا اس سے زیادہ برا تو نہیں۔''(۴۳)

اسی طرح سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ ایک مردہ خچر کے پاس سے گزرے جس میں سڑاند پیدا ہو چکی تھی تو اُنہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

وَاللّٰهِ، لَاَنْ يَاْكُلَ اَحَدُكُمْ هٰذَا حَتّٰى يَمْلَاَ بَطْنَهُ خَيْرٌ مِنْ اَنْ يَاْكُلَ لَحْمَ مُسْلِمٍ

''اللہ کی قسم! تم میں سے کسی کا اس مردہ خچر سے پیٹ بھر کر کھانا مسلمان بھائی کا گوشت کھانے سے بہتر ہے۔''(۴۴)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَمَا الْتَقَمَ اَحَدٌ لُقْمَةً شَرًّا مِنَ اغْتِيَابِ مُؤْمِنٍ(۴۵)

''آدمی جتنے بھی لقمے کھاتا ہے اس میں سب سے برا لقمہ وہ ہے جو وہ کسی مؤمن کی غیبت کرتا ہے۔''

غیبت کے عادی افراد کو چاہیے کہ اس طرح کے مناظر سے خود کو غیبت کی کراہت باور کرائیں اور داعیان اور مصلحین کو بھی چاہیے کہ لوگوں کی اصلاح کے لیے اس طرح کی زندہ مثالوں کو استعمال کریں اور اصلاح و وعظ کے عمل کو حلقہ درس سے نکال کر عام زندگی کے میدانوں تک لائیں۔

غیبت کی سزا

غیبت چونکہ حرام کام ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے مرتکبین کے لیے سزا بھی مقرر فرمائی اور نبی اکرم ﷺ نے اس سزا کو بیان فرمایا' تاکہ لوگ اس سے خوف زدہ ہو کر اس فعل حرام کے ارتکاب سے باز رہیں۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم ان احادیث کا مطالعہ کرتے ہوئے ذہن میں رکھیں کہ خدانخواستہ ہمیں بھی اس صورت حال سے سابقہ پیش آ سکتا ہے:

غیبت کی پاداش میں عذاب قبر: نبی اکرم ﷺ نے اپنی آزاد کردہ باندی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

سے فرمایا:

((يَا مَيْمُونَةَ تَعَوَّذِي بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ))، قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ لَحَقٌّ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، وَاِنَّ مِنْ اَشَدِّ عَذَابِ الْقَبْرِ الْغِيبَةَ وَالْبَوْلَ))(۴۶)

''اے میمونہ! اللہ تعالیٰ سے عذابِ قبر کے بارے میں پناہ مانگو''۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا عذابِ قبر حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں وہ حق ہے' اور سب سے زیادہ سخت عذابِ قبر غیبت اور نجاستِ پیشاب سے ہوگا۔''

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

((اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، اَمَّا اَحَدُهُمَا فَيُعَذَّبُ فِي الْبَوْلِ، وَاَمَّا الْآخَرُ فَيُعَذَّبُ فِي الْغِيبَةِ))(۴۷)

''ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے' اور یہ عذاب کسی بڑی چیز میں نہیں' بلکہ ایک کو تو پیشاب سے نفاست کا اہتمام نہ کرنے پر' جبکہ دوسرے کو غیبت کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا ہے۔''

اسی طرح نبی اکرم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے جسے آپ ﷺ کے بتانے کے مطابق عذاب دیا جا رہا تھا تو فرمایا:

((اِنَّ هٰذَا كَانَ يَاْكُلُ لُحُوْمَ النَّاسِ))(۴۸)

''بے شک یہ لوگوں کے گوشت کھایا کرتا تھا۔''

حبطِ اَعمال: غیبت کی ایک سزا حبطِ اَعمال بھی ہے' یعنی اس کی وجہ سے انسان کی وہ نیکیاں ضائع ہو سکتی ہیں جو اُس نے کمائی تھیں۔ امام حسن بصریؒ (م: ۱۱۰ھ/۷۲۸ء) فرمایا کرتے تھے:

اِيَّاكُمْ وَالْغِيبَةَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهِيَ اَسْرَعُ فِي الْحَسَنَاتِ مِنَ النَّارِ فِي الْحَطَبِ (۴۹)

''غیبت سے بچو' مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' غیبت نیکیوں کو غارت کرنے میں اس سے بھی زیادہ تیز ہے جتنی کہ آگ لکڑیوں کو جلا کر راکھ کرنے میں تیز ہے۔''

نامور تابعی حضرت کعب الاحبارؒ فرماتے ہیں:

((الْغِيبَةُ تُحْبِطُ الْعَمَلَ))(۵۰)

''غیبت اعمال کو تباہ کر دیتی ہے۔''

الشیخ محمد بن عبدالوہابؒ غیبت کے بارے میں لکھتے ہیں:

انها محبطة لحسناته يوم القيامة، فإنها تنقل حسناته يوم القيامة إلى من اغتابه، بدلا عما استباحه من عرضه، فإن لم يكن له حسنات نقل إليه من سيئات خصمه (۵۱)

''بیشک غیبت بروزِ قیامت انسان کی نیکیوں کو غارت کر دے گی اور انسان کی نیکیاں پامالیٔ عرض کی پاداش میں اسے دے دی جائیں گی جس کی اس نے غیبت کی ہوگی' اور اگر نیکیاں ختم ہوگئیں تو فریق مخالف کے گناہ اس کے ذمے ڈال دیے جائیں گے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا اشارہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کی طرف ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: ہم میں سے مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار اور مال و متاعِ دنیا نہ ہو۔ تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میری اُمت کا مفلس وہ ہے جو بروزِ قیامت نماز' روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ اس حال میں حاضر ہوگا کہ کسی کو گالی دی ہوگی' کسی پر بہتان لگایا ہوگا' کسی کا مال کھایا ہوگا' کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔ (جب یہ تمام لوگ دعویٰ لے کر کھڑے ہوں گے) تو ہر ایک کو اُس کی نیکیاں (بطورِ فدیہ) دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کی زیادتیوں کے ازالے میں اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو دعویداروں کے گناہ اس کے ذمہ لگا دیے جائیں گے۔ پھر (نتیجتاً) اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔'' (۵۲)

دوزخ میں سزا: امام ابن حجر الھیتمیؒ لکھتے ہیں کہ غیبت کی سزا کے طور پر دوزخ کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ اس کا ثبوت کئی ایک احادیث سے ملتا ہے:

۱) نبی اکرم ﷺ کو سفرِ معراج میں جنت اور دوزخ کے مناظر دکھائے گئے۔ مبتلائے عذاب لوگوں کے بارے میں مروی ایک روایت سے غیبت کے مرتکبین کی سزا معلوم ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَمَّا عُرِجَ بِی مَرَرْتُ بِقَومٍ لَهُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِی اَعْرَاضِهِمْ)) (۵۳)

''جب مجھے معراج پر لے جایا گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن تپے ہوئے تانبے کے تھے' وہ ان سے اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا:

اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیلؑ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور لوگوں کی عزتوں میں حرف گیری کرتے تھے۔''

اس روایت میں حضرت جبریل علیہ السلام نے غیبت کرنے والوں کے لیے وہی تشبیہ استعمال کی جو قرآن نے ذکر کی ہے' یعنی لوگوں کا گوشت کھانا' اور ساتھ ہی اہل غیبت کے لیے ''وَيَقَعُونَ فِی اَعْرَاضِهِمْ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے جہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مبتلائے عذاب لوگ غیبت ہی کے مجرم تھے' وہیں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ غیبت انسان کی عزت مجروح کرنے کی ایک صورت ہے۔

۲) شفی بن ماتع الاصبحی (۵۴) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

((اَرْبَعَةٌ يُؤْذُونَ اَهْلَ النَّارِ عَلٰی مَا بِهِمْ مِنَ الْاَذٰی، يَسْعَوْنَ بَيْنَ الْحَمِيمِ وَالْجَحِيمِ، يَدْعُونَ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُورِ، يَقُولُ اَهْلُ النَّارِ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: مَا بَالُ هٰؤُلَاءِ قَدْ آذَوْنَا عَلٰی مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ قَالَ: فَرَجُلٌ مُغْلَقٌ عَلَيْهِ تَابُوتٌ مِنْ جَمْرٍ، وَرَجُلٌ يَجُرُّ اَمْعَاءَهُ، وَرَجُلٌ يَسِيلُ فُوهُ قَيْحًا وَدَمًا، وَرَجُلٌ يَاْكُلُ لَحْمَهُ، قَالَ: فَيُقَالُ لِصَاحِبِ التَّابُوتِ: مَا بَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ آذَانَا عَلٰی مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ قَالَ: فَيَقُولُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ مَاتَ وَفِی عُنُقِهِ اَمْوَالٌ اِلَی النَّاسِ مَا نَجِدُ لَهَا قَضَاءً اَوْ وَفَاءً، ثُمَّ يُقَالُ لِلَّذِی يَجُرُّ اَمْعَاءَهُ: مَا بَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ آذَانَا عَلٰی مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ فَيُقَالُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ كَانَ لَا يُبَالِی اِنْ اَصَابَ الْبَوْلُ مِنْهُ لَا يَغْسِلُهُ، ثُمَّ يُقَالُ لِلَّذِی يَسِيلُ فُوهُ قَيْحًا وَدَمًا: مَا بَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ آذَانَا عَلٰی مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ فَيَقُولُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ كَانَ يَنْظُرُ اِلٰی كُلِّ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ فَيَسْتَلِذُّهَا كَمَا يَسْتَلِذُّ الرَّفَثَ، فَيُقَالُ لِلَّذِی يَاْكُلُ لَحْمَهُ: مَا بَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ آذَانَا عَلٰی مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ اِنَّ الْاَبْعَدَ كَانَ يَاْكُلُ لُحُومَ النَّاسِ (بِالْغِيبَةِ وَيَمْشِی بِالنَّمِيمَةِ)) (۵۵)

''چار قسم کے لوگ ایسے ہوں گے جن کو دی جانے والی سزا سے دوسرے دوزخی بھی تکلیف محسوس کریں گے۔ وہ لوگ آگ اور کھولتے پانی میں ہوں گے اور اپنی موت اور کامل تباہی کے لیے فریادیں کرتے ہوں گے (کہ اس سزا سے جان چھوٹ جائے)۔ دوزخی ایک دوسرے سے کہیں گے: ان لوگوں کی بھی کیا مصیبت ہے' انہوں نے ہماری

تکلیف میں اضافہ ہی کیا ہے۔ پس ان چار قسم کے لوگوں میں ایک وہ بندہ ہوگا جس کے اوپر انگارے کا تابوت اوندھا کر دیا گیا ہوگا' ایک بندہ اپنی انتڑیوں کو گھسیٹتا ہوگا' ایک آدمی کے منہ سے پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا اور ایک دوسرا آدمی اس کے گوشت کو کھا رہا ہوگا۔ اب تابوت والے کے بارے میں کہا جائے گا: اس کا بیڑا غرق ہو' اس کا معاملہ کیا ہے کہ اس نے ہماری سزا میں اضافہ کر دیا؟ پس وہ کہے گا: مجھ بدقسمت کے ذمے لوگوں کا مال تھا' لیکن میں نے ان کی ادائیگی کا اہتمام نہ کیا۔ پھر انتڑیاں گھسیٹنے والے سے کہا جائے گا: اس بدبخت کا معاملہ کیا ہے کہ اس نے ہماری سزا میں اضافہ کر دیا؟ کہا جائے گا: یہ محروم پیشاب سے بچنے کی پروا تک نہ کرتا تھا' بلکہ پیشاب آلود ہونے پر دھونے تک کا اہتمام نہ کرتا تھا۔ پھر اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ جس کے منہ سے پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا: اس نامراد کا کیا معاملہ ہے کہ اس نے ہماری سزا میں اضافہ کر دیا ہے؟ وہ کہے گا: میں بدقسمت ہر فحش اور بری بات کی تاک میں رہتا تھا اور اس بدگوئی سے ایسے لطف لیا کرتا تھا جیسے عورتوں سے بے حجابی کا لطف اٹھایا جاتا ہے۔ پھر اس کا گوشت کھانے والے شخص سے کہا جائے گا: اس ناکارہ کا کیا معاملہ ہے کہ اس نے ہماری سزا میں اضافہ کر دیا ہے؟ وہ کہے گا: یہ نالائق غیبت کے ذریعے لوگوں کا گوشت کھایا کرتا تھا اور چغل خوری کرتا پھرتا تھا۔''

۳) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِنَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ نَظَرَ فِي النَّارِ، فَإِذَا قَوْمٌ يَأْكُلُونَ الْجِيَفَ، قَالَ: ((مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟)) قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ (٥٦)

''جس رات نبی اکرم ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا تو آپ نے دوزخ میں دیکھا کہ کچھ لوگ مردار کھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اے جبرائیل' یہ کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے۔''

۴) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَكَلَ لَحْمَ أَخِيهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُقَالُ لَهُ: كُلْهُ مَيِّتًا كَمَا أَكَلْتَهُ حَيًّا، فَيَأْكُلُهُ وَيَكْلَحُ وَيَضِجُّ))(٥٧)

''جو کوئی دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھائے گا تو قیامت والے دن اس مسلمان کا گوشت اس کے سامنے رکھ کر کہا جائے گا: اسے مردہ حالت میں کھا' جیسے زندہ

ہوتے ہوئے کھایا کرتا تھا۔ پس وہ اسے منہ بگاڑتے ہوئے کھائے گا۔''

ایک دوسری روایت میں صراحتاً غیبت کے الفاظ بھی مذکور ہیں:

((يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الَّذِي كَانَ يَغْتَابُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا، فَيُقَالُ لَهُ: كُلْ لَحْمَ أَخِيكَ مَيِّتًا كَمَا أَكَلْتَهُ حَيًّا))(٥٨)

''قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا جو دنیا میں لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا۔ اسے کہا جائے گا کہ جس طرح تو دنیا میں اپنے زندہ بھائی کا گوشت مردہ سمجھ کر کھا رہا تھا' اب اس مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ۔''

غیبت کے نقصانات

علماء نے اپنی کتابوں میں غیبت کے نقصانات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

۱) غیبت کرتے ہوئے انسان خود کو غلطیوں سے پاک اور دوسروں کو گناہ گار یا کم تر سمجھتا ہے۔ اس طرح انسان اپنی اصلاح سے غافل ہو جاتا ہے' نیز اس سے تکبر اور دوسروں کی تحقیر کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

۲) غیبت کرنے والا انسان دوسروں کے بارے میں اتنا بے حس ہو جاتا ہے کہ ان کی غیر موجودگی کے باوجود' اُن کی غلطی بیان کر کے انہیں رسوا کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ غیبت سے انسان کے اندر سنگدلی در آتی ہے اور اُس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔

۳) غیبت کرنے والا دوسرے مسلمان کی ہمدردی اور بھائی چارگی کے جذبات سے محروم ہو جاتا ہے' اور یہ بہت بڑی محرومی ہے' کیونکہ مسلمان سے ہمدردی کی بدولت انسان نہ صرف بہت سے فضائل حاصل کر سکتا ہے' بلکہ ان جذبات کے بغیر مسلمانوں کے باہمی حقوق کی ادائیگی ممکن ہی نہیں۔

۴) غیبت انسان کو نفاق کی طرف لے جاتی ہے' کیونکہ غیبت کرنے والا اندر سے دوسرے کا نقصان اور تحقیر کر رہا ہوتا ہے لیکن بظاہر دوسرے کا ہمدرد نظر آنے کی کوشش کرتا ہے' اور یہ منافقین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بظاہر مسلمانوں کے ہمدرد لیکن درحقیقت ان کے بدخواہ ہوتے ہیں۔ گویا غیبت کرتے رہنے سے انسان میں وہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جو اسے نفاق کی راہ پر گامزن کر سکتی ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ مسند احمد کی روایت

سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین مسلمانوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے۔

۵) غیبت انسان کو تجسّس کی لَت ڈال دیتی ہے‘ کیونکہ غیبت کرنے کے لیے کسی کی غلطی اور کمزوری کا علم ہونا ضروری ہے‘ اور جب غیبت طبیعت کا حصہ بن جائے تو انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی کی غلطی علم میں آئے‘ اور اسی خواہش کا نام تجسس ہے۔

۶) غیبت انسان کی سب سے قیمتی متاع یعنی وقت کے ضیاع کا باعث بنتی ہے‘ کیونکہ غیبت عام طور پر طویل گفتگوؤں اور محفلوں میں انجام پاتی ہے‘ جس سے نہ صرف وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ وہ سارا وقت ہی اللہ کی نافرمانی اور گناہ میں صرف ہوتا ہے۔

۷) غیبت عام طور پر چھپی نہیں رہتی‘ بلکہ دوسرے فریق تک پہنچ کر باہمی نفرت اور عداوت کا سبب بنتی ہے۔

۸) غیبت اعلیٰ انسانی اَقدار اور ذوق کے منافی ہے اور اس کا عادی انسان گھٹیا ذوق اور ردی اخلاق کا مالک بن جاتا ہے۔

۹) غیبت کی وجہ سے عذابِ قبر میں مبتلا ہونے کا سخت اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے۔

۱۰) غیبت کی وجہ سے انسان کی بہت محنت سے کمائی ہوئی نیکیاں فدیے میں دینا پڑ سکتی ہیں‘ حتیٰ کہ نیکیاں ختم ہونے پر دوسرے کے گناہ اپنے سر لیتے ہوئے دوزخ میں بھی جانا پڑ سکتا ہے۔ غیبت کرنے والوں کو دوزخ میں اپنے ہی تانبے کی مانند سرخ ناخنوں سے اپنے سینے اور چہروں کو نوچنا ہوگا‘ نیز انسانی لاش کھانے کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ (۵۹)

غیبت سے توبہ اور معالجہ

غیبت کی حرمت و قباحت اور سزا و نقصانات اس قدر زیادہ ہیں کہ اب بغیر توبہ کے کوئی چارہ نہیں‘ اور اگر ہم اب بھی توبہ نہ کریں گے تو گویا خود کو ہلاک کریں گے اور مندرجہ بالا نقصانات و عقوبات سے بہرحال دوچار ہونا پڑے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے خود اس توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِاَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ اَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، اِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ)) (۶۰)

’’جس نے کسی مسلمان بھائی پر عزت یا کسی اور معاملے میں کوئی ظلم کیا ہو تو وہ اس کے

پاس آ کر اُس دن سے پہلے پہلے معاف کرا لے کہ جس میں درہم و دینار کا سودا نہ ہوگا۔ اگر اس کے پاس اعمالِ صالحہ ہوں گے تو اس کے ظلم کے بدلے لے لیے جائیں گے‘ اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحبِ حق کے گناہ اس کے سر منڈھ دیے جائیں گے۔‘‘

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی چاہے عرض یعنی عزت کے معاملے میں ہو یا کسی اور معاملے میں‘ بہرحال اس سے توبہ اور صاحبِ حق سے معاف کروانا لازم ہے‘ ورنہ بروزِ حشر اس زیادتی کا فدیہ اپنی نیکیاں دے کر یا دوسروں کے گناہ اپنے سر لے کر ادا کرنا پڑے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس توبہ کی ترغیب ایک دوسرے انداز میں دلاتے ہوئے اس بندے کے لیے دعا فرمائی جو حقوق العباد میں زیادتی کا مرتکب ہو جانے کے بعد اس سے توبہ کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا كَانَتْ لِاَخِيهِ عِنْدَهُ مَظْلَمَةٌ فِي (نَفْسٍ اَوْ) عِرْضٍ اَوْ مَالٍ فَجَاءَهُ فَاسْتَحَلَّهُ قَبْلَ اَنْ يُؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، فَاِنْ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ حَمَّلُوا عَلَيْهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ)) (۶۱)

’’اللہ تعالیٰ اُس بندے پر رحم کرے جس نے کسی مسلمان بھائی کی جان‘ عزت یا مال کے معاملے میں ظلم کیا ہو تو اُس کے پاس آ کر اس سے بخشوا لے‘ قبل اس کے کہ اس سے حساب لیا جائے جب کہ درہم و دینار کا سودا نہ ہو سکے گا‘ بلکہ اس کی نیکیاں لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی‘ اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر زیادتی کرنے والے کے ذمہ لگا دی جائیں گی۔‘‘

غیبت سے توبہ کی شرائط

سچی توبہ کی تین شرائط ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس گناہ سے کنارہ کشی کر لی جائے۔ دوسرے یہ کہ ماضی کے گناہوں پر ندامت محسوس ہو۔ اور تیسرے یہ کہ آئندہ کے لیے اس گناہ کے ارتکاب سے باز رہنے کا پختہ ارادہ کیا جائے۔ البتہ گناہ ایسا ہو کہ جس کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اس کی اضافی شرائط ہیں‘ جن کے متعلق امام نوویؒ (م: ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

وَاِنْ كَانَتِ الْمَعْصِيَةُ تَتَعَلَّقُ بِآدَمِيٍّ فَشُرُوطُهَا اَرْبَعَةٌ: هٰذِهِ الثَّلَاثَةُ، وَاَنْ يَبْرَأَ مِنْ حَقِّ صَاحِبِهَا، فَاِنْ كَانَتْ مَالًا اَوْ نَحْوَهُ رَدَّهُ اِلَيْهِ، وَاِنْ كَانَتْ حَدَّ قَذْفٍ وَنَحْوَهُ مَكَّنَهُ مِنْهُ اَوْ طَلَبَ عَفْوَهُ، وَاِنْ كَانَتْ غِيبَةً اسْتَحَلَّهُ مِنْهَا (۶۲)

''اگر گناہ کا تعلق کسی انسان سے ہو تو اس سے توبہ کی چار شرائط ہیں۔ تین تو یہی ہیں' اور چوتھی یہ ہے کہ جس کا حق غصب کیا ہے اس حق سے اپنی گردن چھڑائے۔ وہ حق اگر مال یا اس طرح کی کوئی مادّی چیز ہے تو اس کے مالک کی طرف لوٹائے اور اگر کسی پر بہتان لگایا ہے یا اس قسم کا کوئی اور الزام لگایا ہے تو خود کو حد کے لیے پیش کر کے معاف کرالے' اور اگر کسی کی غیبت کی ہے تو اس سے بخشوالے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت سے توبہ اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کے ساتھ صاحب غیبت سے معاف کروانا ضروری ہے۔

امام غزالیؒ 'احیاء علوم الدین' میں فرماتے ہیں: ''جان لو غیبت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ افسوس وندامت کے ساتھ غیبت سے توبہ کرے تاکہ اللہ کا حق معاف ہو سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ جس کی غیبت کی ہے اس سے بھی معاف کروانا لازم ہے' تاکہ حقوق العباد کی پامالی کے گناہ سے بھی معافی مل سکے۔''

امام جلال الدین سیوطیؒ (م:۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: ''صاحبِ غیبت سے معاف کروانا لازم ہے' کیونکہ یہ توبہ کی شرائط میں سے ہے' اور جب تک توبہ صحیح نہ ہوگی تب تک وہ گناہ معاف نہ ہوں گے جو دوسرے انسانوں کے حقوق کے متعلق ہیں۔''(۶۳)

امام نوویؒ نے 'الاذکار' میں لکھا ہے کہ ''چونکہ غیبت کا تعلق لوگوں کے حقوق سے ہے لہٰذا صحتِ توبہ کے لیے صاحبِ غیبت سے معاف کروانا بھی لازم ہے۔ البتہ معاف کروانے میں غیبت کی تفصیل بتانا کہ میں نے کس قسم کی غیبت کی تھی ضروری نہیں ہے' بلکہ مجرد غیبت کا بتا کر معافی طلب کرنا ہی کافی ہوگا۔''

عطاء بن ابی رباحؒ تابعی (م:۱۱۴ھ) سے غیبت کی معافی کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

تمشی إلی صاحبك فتقول: كذبتُ بما قلتُ لك وظلمتُ وأسأتُ، فإن اخذتَ بحقّك وإن شئتَ عفوتَ (۶۴)

''جس کی غیبت کی ہے اس کے پاس جا اور اس طرح سے کہہ: جو میں نے آپ کے بارے میں کہا تھا اس کو جھٹلاتا ہوں' میں نے ظلم کیا اور برائی کا مرتکب ہوا' اگر آپ اپنے حق کے بدلے کوئی مؤاخذہ کریں (تو کر سکتے ہیں) اور اگر آپ چاہیں تو معاف کر دیں۔''

مندرجہ ذیل احادیثِ مبارکہ واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ غیبت سے توبہ کی شرائط میں

صاحبِ غیبت سے معاف کروانا بھی ضروری ہے:

۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ))(۶۵)

''جس نے کسی مسلمان بھائی کی جان عزت یا مال کے معاملے میں کوئی ظلم کیا ہو تو وہ اس کے پاس آ کر اس سے معاف کرالے۔''

اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان و مال کی زیادتی کے ساتھ عرض یعنی عزت کے معاملے میں ظلم کو بھی صاحبِ حق سے معاف کروانے کے ساتھ مشروط فرمایا ہے اور ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت پامالیٔ عرض ہی کی ایک صورت ہے۔ لہٰذا غیبت کے جرم میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کے ساتھ ساتھ صاحبِ غیبت سے معاف کروانا بھی لازم ہے۔

۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی غیبت کے بارے میں درخواستِ استغفار کے جواب میں فرمایا تھا: ((هُوَ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمَا)) جس کی غیبت کی ہے اس کے پاس جاؤ تاکہ وہ تمہارے لیے استغفار کرے۔(۶۶)

۳) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ بنت طلحہ کو' جبکہ ان سے غیبت سرزد ہوگئی تو' یہ ارشاد فرمایا:

اغْتَبْتِيهَا ادْرِكِيهَا تَسْتَغْفِرُ لَكَ

''تم نے اُس کی غیبت کی ہے' اس کے پاس جاؤ تاکہ وہ تمہارے لیے استغفار کرے''۔(۶۷)

یہ تمام روایات اس پر شاہد ہیں کہ جس کی غیبت کی ہے اس سے معاف کروانا لازم ہے۔

امام قرطبیؒ ان روایات کے بارے میں لکھتے ہیں:

فدلّتِ الآثار عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انها مظلمة يجب على المغتاب استحلالها

(احكام القرآن، تفسير سورة الحجرات)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچنے والی خبریں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ غیبت بھی ایک ظلم و زیادتی ہے' اور غیبت کرنے والے کو صاحبِ حق سے اس کا حق معاف کروانا واجب ہے۔''

فتنے کا اندیشہ ہو تو بتانے سے گریز کرنا چاہیے

اگر کسی کی غیبت کر دی ہے اور اب اس سے معافی طلب کرنا چاہ رہے ہیں تو اندازہ کر لینا چاہیے کہ بتانے سے کوئی فتنہ یا لڑائی جھگڑا تو رونما نہیں ہو رہا۔ اور اگر کسی فتنے کا اندیشہ ہو تو پھر بتانے سے گریز کرنا چاہیے۔ یہی اکثر علماء کی رائے ہے جو کہ اسلامی اصولوں کے بالکل مطابق

ہے' کیونکہ اسلام ہمیشہ مصلحت کے حصول کے مقابلے میں دفع مفسدت اور رفع ضرر کو ترجیح دیتا ہے۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ انسان غیبت کی معافی طلب کرتے کرتے کوئی اور جھگڑا مول لے لے یا کسی اور ایسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھے جو غیبت سے بھی بڑی ہو۔

شیخ صالح بن فوزان غیبت سے استحلال کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''توبہ کا دروازہ کھلا ہے' لیکن یہ چونکہ مخلوق کا حق ہے لہٰذا اس سے توبہ کی شرط میں یہ بھی ہے کہ صاحبِ حق سے معاف کروائے۔ پس لازم ہے کہ اس سے مل کر اسے اپنی زیادتی بتا کر معافی طلب کی جائے۔ البتہ اگر اس کو بتانے میں کسی بڑی خرابی کا امکان ہو تو پھر بتانا اور معافی طلب کرنا لازمی نہیں' بلکہ اُس کے لیے دعائے مغفرت اور اس کی خوبیوں کا بیان کرنا چاہیے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے گا۔''(۶۸)

صاحبِ غیبت کے لیے دعا

امام نوویؒ اور تاج الدین سبکیؒ (م:۷۷۱ھ/۱۳۷۰ء) کے مطابق اگر صاحب غیبت مر چکا ہو یا اس سے معافی طلب کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اس کے لیے دعائے مغفرت و بخشش کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس دعا کی برکت سے مغتاب کے کچھ گناہ معاف ہو جائیں تو امید ہے کہ بروز حساب وہ انسان کو معاف کرنے پر آمادہ ہو جائے یا اللہ تعالیٰ اس نیکی کے بدلے اس کے دل کو نرم فرما کر معاف کرا دیں۔(۶۹)

امام ابن ابی الدنیاؒ (م:۲۸۱ھ) نے 'کتاب الصمت' میں ضعیف سند کے ساتھ یہ روایت بھی نقل کی ہے:

((كَفَّارَةُ مَنِ اغْتَبْتَ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ))

''اگر تم نے کسی کی غیبت کی ہو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے بخشش کی دعا کرو۔''

ذہن میں رہے کہ علمائے اخلاق کے نزدیک غیبت کے اسباب میں سے کینہ و حسد بھی ہیں اور ان امراض کا ایک علاج دوسروں کے لیے دعا ہے۔ گویا دعا غیبت کے سبب کا علاج ہے جو بالواسطہ غیبت ہی کا علاج ہے۔ پس دوسروں کے لیے دعاء و استغفار میں غیبت کے کفارے کے ساتھ اس کا علاج بھی ہے۔

صاحب غیبت کی تعریف

غیبت سے دوسرے کی شخصیت اور ساکھ متاثر ہوتی ہے۔ اب اگر انسان غیبت سے توبہ

کرنا چاہتا ہے تو دیگر شرائط کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحبِ غیبت کی مناسب تعریف و توصیف کا اہتمام کرے تاکہ اس کی ہتک عزت کا کسی قدر ازالہ ہو سکے۔

امام ابن ابی الدنیا 'کتاب الصمت' میں حضرت مجاہدؒ کا ایک قول لائے ہیں:

كَفَّارَةُ اَكْلِكَ لَحْمَ اَخِيكَ اَنْ تُثْنِيَ عَلَيْهِ، وَتَدْعُوَ لَهُ بِخَيْرٍ

''اگر تم (غیبت کے ذریعے) کسی مسلمان بھائی کا گوشت کھا لو تو اس سے خلاصی کی یہ صورت ہے کہ تم اس کی تعریف و توصیف کرو اور اس کے لیے اچھی دعائیں کرو۔''

(جاری ہے)

حواشی:

(۲۶) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب 'باب فِی الْغِیبَةِ عَنْ سَعِیدِ بْنِ زَیْدٍ

(۲۷) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فِی الْغِیبَةِ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ

(۲۸) رواه مسلم، کتاب البر و الصلة و الآداب، باب تَحْرِیمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ، عن اَبی هریرة

(۲۹) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب' باب فِی الْغِیبَةِ

(۳۰) صحیح البخاری' کتاب الحج' باب الْخُطْبَةِ اَیَّام مِنٰی عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

(۳۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فِی الْغِیبَةِ

(۳۲) مجمع الزوائد، قال الهیثمی: رواه ابو یعلٰی، ورجاله رجال الصحیح

(۳۳) سنن ابی داوٗد، کتاب الادب' باب فِی الْغِیبَةِ

(۳۴) مسند احمد، مؤسسة الرسالة: ۱٤۷۸٤/۹۷/۲۳ واسناده حسن، مسند المکثرین من الصحابة، مسند جابر بن عبد اللّٰه

(۳۵) شعب الإیمان، مکتبة الرشد بالریاض: ٦۳۰٦/۹۳/۹، و قال اسناده حسن

(۳۶) غیبت کے نقصانات، صفحہ: ۸' مرکز دعوۃ التوحید' اسلام آباد

(۳۷) المعجم الکبیر و قال الهیثمی فی مجمع الزوائد رجاله رجال الصحیح

(۳۸) مسند ابی یعلٰی احمد بن علی الموصلی (م:۳۰۷ھ) دار المامون للتراث دمشق وقال المحقق حسین سلیم اسد اِسناده ضعیف لانقطاعه و قال البوصیری (م: ۸٤۰ھ) فی اِتحاف رجاله ثقات اِلا انه منقطع

(۳۹) مسند احمد، مؤسسة الرسالة: ۳۹/٦۰ وقال الارنووط اِسناده ضعیف لجهالة الراوی عن عبید و قد اخرجه ابن ابی الدنیا فی "الصمت"، والبیهقی فی "الدلائل" البخاری فی

"تاریخه"، وابو یعلیٰ فی "مسنده" وشمس الدین السفارینی (م: ۱۱۸۸ھ) فی غذاء الالباب زین الدین ابن رجب الحنبلی (م:۷۹۵ھ) فی لطائف المعارف الترغیب والترهیب للمنذری : ۱۵۵/۲

(٤٠) دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، کتَاب الامُور المَنهی عَنهَا،باب تحریم الغیبة والامر بحفظ اللسان

(٤١) شعب الإیمان لابی بکر البیهقی (م:٤٥٨ھ) مکتبة الرشد، الریاض، الطبعةالاولیٰ: ۸۲/٦۲۸۸/۹۔ محمد احمد اسماعیل المقدم (م:۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء) لکھتے ہیں: اگرچہ محقق اسحاق الحوینی نے اسناد کے رواۃ کو ثقات قرار دیا ہے لیکن روایت میں حدیث کے مرفوع ہونے کی تصریح نہیں ہے (الاعلام بحرمة اهل العلم، ص۲۲، دار طیبه ریاض)

(٤٢) شعب الإیمان لابی بکر البیهقی، مکتبة الرشد ،الریاض: ۱۰۰/۹/٦۳۱۷۔ وقال المحقق اسناده ضعیف

(٤٣) سنن ابی داوٗد ، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالك

(٤٤) الادب المفرد للبخاری' باب الغیبة وقول اللّٰه تعالی ولا یغتب بعضکم بعضا

(٤٥) الادب المفرد للبخاری، قبل باب الغیبة

(٤٦) اِثبات عذاب القبر وسؤال الملکین للبیهقی' شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور، لجلال الدین السیوطی، واورده السیوطی ایضا فی جامع الکبیر ط الازهر باب یاء النداء مع المیم:۱۲/ ۷۷۲، رقم الحدیث: ۸۹۸،۲۷۵۲۵، و سکت عنه المحقیقین

(٤٧) سنن ابن ماجه' کتاب الطهارة وسننها' باب التَّشْدِیدِ فِی الْبَوْلِ

(٤٨) معجم الاوسط لسلیمان بن احمد الطبرانی (م:۳٦۰ھ)

(٤٩) ذم الغیبة والنمیمة لابن ابی الدنیا ، باب کفارة الاغتیاب

(٥٠) ذم الغیبة والنمیمة لابن ابی الدنیا 'باب الغیبة وذمها

(٥١) الکبائر لشیخ محمد بن عبد الوهاب، باب ما جاء فی الغیبة

(٥٢) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآدب' باب تَحْرِیمِ الظُّلْمِ، عن ابی هریره

(٥٣) سنن ابی داوٗد' کتاب الادب' باب فِی الْغِیبَةِ' عن انسٍ

(٥٤) شفی بن ماتعؒ کی صحبت مختلف فیہ ہے' بعض علماء کے نزدیک آپ صحابی ہیں اور بعض کے نزدیک آپ تابعی ہیں۔ (اکمال تهذیب الکمال للمغلطائی)

(٥٥) المعجم الکبیر للطبرانی، مکتبة ابن تیمیة القاهرة، رقم الحدیث:۷۲۲٦، ۳۷۲۷، ورواه

ابن ابی الدنیا فی الصمت و الفاظه فی الوسین، مجموعة رسائل ابن ابی الدنیا: ٦۸/۲، کتاب الغیبة والنمیمة، باب الغیبة وذمها، مؤسسه الکتب الثقافیه، بیروت ووثق المحقق رجاله الا قال شُفَی بُن مَاتِع لیس صحابیا و لهذا الخبر المرسل جید الاسناد، (وصحبة شُفَی بُن مَاتِع مختلف فیه عند المحدثین)

(٥٦) مسند احمد ،مسند بنی هاشم، مسند عبد اللّٰه بن العباس' قال احمدشاکر فی تحقیق المسند اسناده صحیح (۲۳۲٤/٦۳/۳ دار الحدیث القاهره) والضیاء المقدسی فی الاحادیث المختارة: ۵۵۰/۹، رقم٥٤٤، وقال المحقق عبدالملك بن عبداللّٰه الدهیش، صحیح بشاهده

(٥٧) ذم الغیبة والنمیمة لابن ابی الدنیا' وقال احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی سَنَدُهُ حَسَنٌ، فتح الباری شرح صحیح البخاری (قوله باب الغیبة وقول اللّٰه تعالی ولا یغتب بعضکم بعضا الآیة)

(٥٨) قال الهیثمی فی مجمع الزوائد: رواه الطبرانی فی الاوسط، وفیه ابن اِسحاق وهو ثقة، مدلس، وبقیة رجاله ثقات: ۱۷۳/۸،۱، رقم الحدیث: ۱۳۱۳۰، ط دارالفکر' بیروت

(٥٩) کئی اہم نکات جناب علامہ احمد جاوید صاحب کی کتاب ''ترکِ رذائل'' سے ماخوذ ہیں۔

(٦٠) صحیح البخاری' کتاب المظالم' باب مَنْ کَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ عِنْدَ الرَّجُلِ فَحَلَّلَهَا لَهُ۔ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ۔

(٦١) سنن الترمذی' ابواب صفة القیامة' باب مَا جَاءَ فِی شَانِ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ۔ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ

(٦٢) ریاض الصالحین، باب التوبة

(٦٣) الحاوی للفتاویٰ للسیوطی

(٦٤) ذم الغیبة والنمیمة لابن ابی الدنیا، باب کفارة الاغتیاب

(٦٥) صحیح البخاری۔ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ

(٦٦) دیکھیے حاشیہ نمبر۲۲

(٦٧) دیکھیے حاشیہ نمبر۱۸

(٦٨) الموسوعة الفتاویٰ صالح بن فوزان الفوزان(www.islamway.com)

(٦٩) الحاوی للفتاویٰ للسیوطی

جناب جاوید غامدی اور جماعت احمدیہ لاہور
مخمصے میں

شکیل عثمانی

ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل کراچی کی ۱۵ تا ۲۱ جنوری ۲۰۱۶ء (اور ماہنامہ میثاق لاہور کی مئی ۲۰۱۶ء) کی اشاعت میں راقم کا ایک مضمون ''غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ' دستورِ پاکستان اور قادیانیت'' شائع ہوا تھا' جس میں ملک کے ممتاز دانشور جناب جاوید احمد غامدی کے مضمون ''اسلامی ریاست: ایک جوابی بیانیہ'' کے چند نکات پر گفتگو کی گئی تھی۔ مضمون میں غامدی صاحب کے جوابی بیانیے کے نکتہ نمبر ۴ پر تفصیلی بحث کی گئی تھی اور اُن سے عرض کیا گیا تھا کہ اپنے بارے میں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے واضح طور پر اعلان کریں کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم' جس کے تحت احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا' قرآن وسنت کے مطابق ہے۔ یہ بھی عرض کیا گیا تھا کہ یہ اعلان ان کی حق پرستی کا مظہر ہوگا اور وہ ہدیۂ تبریک کے مستحق قرار پائیں گے۔ لیکن راقم کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تا حال غامدی صاحب کی طرف سے ایسا کوئی اعلان سامنے نہیں آیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ یہ مضمون کئی ماہ قبل ان کے ماہنامہ ''اشراق'' کو بھیجا جا چکا ہے اور وطن عزیز کے متعدد رسائل میں بھی شائع ہوا ہے۔ ان رسائل میں ماہنامہ ختم نبوت ملتان' ماہنامہ المنبر فیصل آباد' ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ' ماہنامہ روحِ بلند لاہور' ماہنامہ الواقعہ کراچی' سہ ماہی المظاہر کوہاٹ اور پندرہ روزہ نشور کراچی شامل ہیں۔ دراصل اس مضمون نے غامدی صاحب کو ایک مخمصے میں ڈال دیا ہے۔ جماعتِ احمدیہ لاہور کو بھی اپنے عقائد کے سبب ایک ایسے ہی مخمصے کا سامنا ہے۔

جاوید غامدی صاحب اور جماعت احمدیہ لاہور کے مخمصوں پر گفتگو کرنے سے قبل راقم اپنے مضمون کے بعض قارئین کے ایک سوال کا جواب دینا چاہتا ہے۔ راقم سے پوچھا گیا ہے کہ اس نے کس بنیاد پر یہ لکھا کہ صرف ایک فیصد امید ہے کہ غامدی صاحب ان وجوہات کو بیان

کریں گے جن کے پیش نظر انہوں نے دین اور ریاست کے تعلق کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر تبدیل کیا۔ ان کے نقطۂ نظر میں تبدیلی کا ثبوت مذکورہ بالا مضمون میں پیش کیا جا چکا ہے۔ دین اور ریاست کے تعلق کے بارے میں غامدی صاحب کی مزید گزشتہ تحریریں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔

غامدی صاحب کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ ان کی آراء جلد تبدیل ہوتی ہیں اور بعض اوقات ایک ہی مسئلہ پر وہ بار بار اپنی رائے بدلتے ہیں' لیکن بالعموم تبدیلیٔ آراء کا اعلان نہیں کرتے۔ بالعموم اس لیے کہا گیا کہ ایسی مستثنیات بہرحال موجود ہیں جن میں انہوں نے کہا کہ ان کی رائے تبدیل ہوگئی ہے۔ راقم کے نزدیک رائے تبدیل کرنا ہر سوچنے سمجھنے والے انسان کا حق ہے' اس لیے کہ A living mind is a changing mind اور بقول ایمرسن صرف پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں جھٹلاتے۔ لیکن اگر تبدیلیٔ رائے کا اعلان کر دیا جائے تو قاری کے سامنے ایک واضح صورت آجاتی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ''ترجیح الراجح'' ایک قابلِ قدر مثال ہے۔

غامدی صاحب کا ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ وہ رائے تبدیل کرتے ہوئے علمی دیانت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ اس سلسلے میں ممتاز محقق اور غامدی صاحب کے سابق رفیق جناب نادر عقیل انصاری نے اپنے مضمون ''صدر ضیاء الحق' افغان جہاد اور غامدی صاحب کا بیانیہ'' میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ یہ مضمون سہ ماہی ''جی'' لاہور میں شائع ہوا ہے۔ ذیل کی سطور میں اس بحث کی تلخیص پیش کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اس تلخیص کو پیش کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ راقم انصاری صاحب کے مضمون میں مندرج تمام خیالات سے متفق ہے۔

انصاری صاحب لکھتے ہیں: جاوید غامدی صاحب نے ۲۸ فروری ۲۰۱۴ء کو سماء ٹی وی کے پروگرام ''غامدی کے ساتھ'' میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جن لوگوں نے [سابق سوویت یونین کے خلاف] افغان جہاد کی سرپرستی کی اور قبائلی علاقوں کے لوگوں کو استعمال کیا' ان کی مذمت کی جانی چاہیے۔ ہماری اُس وقت کی اسٹیبلشمنٹ کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ پرائیویٹ آرمی بنائیں' مذہبی بنیاد پر لوگوں کو منظّم کریں اور ان کے ذریعے جہاد فرمائیں۔ میں نے اُس زمانے میں بھی بڑی شدت کے ساتھ اس کی طرف توجہ دلائی تھی کہ ہم اپنے وجود میں بارود بھر رہے ہیں اور اپنی قبر کھود رہے ہیں۔ جنہوں نے یہ کام کیا وہ سرتاسر مجرم ہیں۔ میں ہمیشہ یہی کہتا رہا ہوں۔''

انصاری صاحب لکھتے ہیں: غامدی صاحب کی اِس گفتگو کے بعد ان کا وہ مضمون ملاحظہ

فرمایئے جو ستمبر ۱۹۸۸ء کے ''اشراق'' میں صدر ضیاء الحق کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا گیا۔ غامدی صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں: ''یہ قوم اُن [صدر ضیاء الحق] کی ہر بات فراموش کر سکتی ہے' لیکن جہادِ افغانستان کے معاملے میں وہ جس طرح اپنے موقف پر جمے رہے اور جس پامردی اور استقامت کے ساتھ انہوں نے فرزندانِ لینن کے مقابلے میں حق کا علم بلند کیے رکھا' اسے اب زمانے کی گردشیں صبح نشور تک ہمارے حافظے سے محو نہ کر سکیں گی۔''

انصاری صاحب مزید لکھتے ہیں: آراء بدلنے کا اختیار ہر صاحب قلم کو ہے۔ لیکن اس میں اگر علمی دیانت داری کا لحاظ نہ رکھا جائے تو یادِ ماضی عذاب بن جاتی ہے۔ علمی دیانت کا تقاضا تھا کہ غامدی صاحب سماء ٹی وی کے پروگرام میں کہتے کہ افغان جہاد کے بارے میں ان کی رائے بدل گئی ہے اور اب وہ اُس جہاد کو ایک جرم سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے بجائے اپنی سابقہ تحریر کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے کہا: ''میں نے اُس وقت بھی کہا تھا کہ ہم اپنی قبر کھود رہے ہیں اور اپنے وجود میں بارود بھر رہے ہیں۔ میں ہمیشہ یہی کہتا رہا ہوں۔'' (سہ ماہی ''جی'' لاہور' جلد نمبر ۱۱' ۱۲' صفحات ۱۱۶ تا ۱۲۱ اور ۱۲۷)

جناب غامدی نے ''اشراق'' (ستمبر ۱۹۸۸ء) میں لکھا کہ اسلام جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے' اسی طرح ہماری ریاست کا بھی دین ہے اور جو لوگ مذہب کو انسان کا انفرادی معاملہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ریاست کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے' وہ حماقت میں مبتلا ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ۲۰۱۵ء میں اپنے جوابی بیانیے میں ارشاد فرمایا کہ ریاست کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ ان دونوں ارشادات میں تطبیق دینا ممکن نہیں ہے۔ اگر غامدی صاحب ان ارشادات میں تطبیق دینے کی کوشش کرتے ہیں تو ''اشراق'' (ستمبر ۱۹۸۸ء) کا حوالہ دینا ناگزیر ہے اور اگر وہ اس ناگزیر تقاضے کو پورا کرتے ہیں تو قارئین کی خاصی تعداد محولہ بالا ''اشراق'' کی طرف رجوع کرے گی۔ اس طرح افغان جہاد کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کا تضاد سامنے آ جائے گا۔ کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اسے متناقض آراء کا حامل سمجھا جائے۔ اس لیے لکھا گیا کہ صرف ایک فیصد امید ہے کہ موصوف ان وجوہات کو بیان کریں گے جن کے پیش نظر انہوں نے دین اور ریاست کے تعلق کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر تبدیل کیا۔

راقم کے مضمون کی اشاعت کے بعد غامدی صاحب ایک مخمصے میں ہیں۔ وہ مخمصہ یہ ہے کہ اگر وہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم' جس کے تحت احمدیوں کو غیر مسلم

اقلیت قرار دیا گیا' قرآن وسنت کے مطابق ہے' تو انہیں اپنے ''جوابی بیانیے'' کے نکتہ نمبر ۴ سے دستبردار ہونا پڑے گا' جس کے مطابق جو لوگ اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں' مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علماء یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے' ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے' اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے' لیکن اس کے حاملین چونکہ قرآن وحدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں' اس لیے انہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غامدی صاحب ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم اور اپنے بیانیے کے نکتہ نمبر ۴ سے دستبرداری پر اپنی خاموشی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ بہرحال راقم کی دعا ہے کہ مسئلہ تکفیر کے بارے میں غلط موقف اختیار کرنے کی وجہ سے وہ جس مخمصے میں پڑ گئے ہیں' اس سے جلد نکل آئیں۔

علامہ اقبال نے کہا تھا: ع پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے! لیکن یہ جماعتِ احمدیہ لاہور کی خوش قسمتی ہے کہ اسے کعبے (اسلام کے عَلَم برداروں) سے پاسباں مل گئے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ راقم کی رسائی احمدیہ انجمن لاہور کی حال ہی میں شائع کردہ کتاب ''اختلافِ سلسلۂ احمدیہ'' (اشاعت دوم) تک ہوئی ہے۔ اس کے مؤلف عامر عزیز الازہری بن عبدالعزیز ہیں۔ ٹائٹل پر ''اختلافِ سلسلۂ احمدیہ'' کے نیچے ''تقابلی جائزہ جماعتِ احمدیہ لاہور و جماعتِ احمدیہ ربوہ'' لکھا ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت احمدیہ ربوہ کے برعکس' جماعتِ احمدیہ لاہور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تعلیمات کی حقیقی عَلَم بردار ہے۔ کتاب کے مؤلف عامر عزیز الازہری لکھتے ہیں:

> ''موجودہ دور میں پاکستان میں محترم ومکرم جاوید احمد غامدی صاحب وہ نابغۂ روزگار ہستی ہیں' جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کی خدمتِ دین اور اسلام کے لیے شب و روز سعی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس سلسلے میں ان کی گواہی کہ حضرت مرزا [غلام احمد قادیانی] صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا' اس دور کی سب سے بڑی سچائی اور جرأت مندانہ حق گوئی ہے۔'' (ص ۸۳)

عامر عزیز الازہری مزید لکھتے ہے کہ محترم ومکرم جاوید احمد غامدی صاحب کی گواہی کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا اُن [غامدی صاحب] کے ایک لیکچر میں دی گئی ہے جس کا موضوع ختم نبوت ہے۔ یہ لیکچر یوٹیوب پر بھی موجود ہے۔ غامدی صاحب [اس لیکچر میں] فرماتے ہیں:

''یہ جو مقام یا مرتبہ بیان کیا ہے' بالکل یہی ہے' مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے۔ وہ بنیادی طور پر صوفی تھے۔ تصوف سے ان کا اشتغال تھا۔ اس طرح کے اوراد' وظائف' چلّے یہی چیزیں ان کے ہاں تھیں۔ انہی چیزوں کو وہ بیان بھی کرتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں لکھتے بھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میری نبوت سے مراد تشریعی نبوت نہیں' میں اصطلاحی نبی نہیں ہوں' بروزی نبی ہوں۔ نبوت کا ایک سایہ پڑ رہا ہے۔ نبوت کا ایک پرتو میرے اندر آ رہا ہے..... پھر کچھ دبی دبی باتیں ہوئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ نبی بنا دیے گئے۔ لیکن میں آپ سے عرض کروں کہ خود مرزا غلام احمد صاحب کی تحریریں جتنی بھی ہیں ان میں بالصراحت نبوت کے دعویٰ کی کوئی تحریر نہیں۔ یعنی اسی طرح کی باتیں ہیں (یعنی صوفیانہ اصطلاحات کا استعمال ہے۔ ناقل) ..... یہی وجہ ہے کہ ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد ان کی جماعت کے دو گروہ ہو گئے۔ ان کے قدیم ترین صحابہ' ان کی اصطلاح کے مطابق' انہوں نے تو کہا کہ ایسا نہیں تھا بلکہ وہ مجدد تھے۔ یہ جو لاہوری جماعت ہے یہ اسی تعبیر پر وجود میں آئی اور مرزا بشیر الدین محمود صاحب جو ان کے فرزند تھے انہوں نے اصل میں اس کو زیادہ صریح کیا اور یہ کہا کہ نہیں یہ باقاعدہ یعنی ورنہ معاملہ ٹھیک ہو جاتا' اتنا ہی رہ جاتا جتنا صوفیوں کا ہے۔ انہوں (مرزا بشیر الدین محمود مرحوم۔ ناقل) نے اس کو اس کی منتہائے کمال تک پہنچا دیا جہاں پر توضیح کی ضرورت نہ رہی..... حکیم نور الدین صاحب کے زمانے میں بھی صورتحال یہ نہیں تھی اسی طرح تھی (یعنی حضرت مرزا صاحب کو نبی نہیں مجدد ہی سمجھا جاتا تھا۔ ناقل)۔ زیادہ سے زیادہ جو بات وہ کرتے تھے جو ابن عربی نے کہی ہے۔ یعنی دیانتداری کے ساتھ آپ الزام لگانے کے لیے نہ کہیں۔ یہاں ایسے لوگ موجود ہیں۔ یعنی ابھی تک حسرت ہے کہ وہ واضح عبارت کون سی ہے (یعنی حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کی۔ ناقل) آپ دیکھیں اس میں الیاس برنی کی کتاب ''قادیانی مذہب'' سب سے اعلیٰ کتاب ہے۔ پوری پڑھ جایئے۔ پھر اس کے بعد ہمارے اپنے زمانے میں مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے جلیل القدر عالم نے ''قادیانیت'' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اس میں بھی آپ پوری کی پوری پڑھ جایئے (احمدیت کے خلاف ان دو مستند کتابوں میں بھی کوئی تحریر یا کوئی حوالہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت کیا۔ ناقل)..... یعنی وہ (پہلے صوفیاء کی تحریرات۔ ناقل)..... انہیں اس سے زیادہ تاویل کو قبول کر لیتی ہیں جیسی میں نے بیان کی ہیں۔ اس طرح کا واضح معاملہ نہیں ہے جیسے کہ سمجھا جاتا ہے۔ وہ زیادہ تر بشیر الدین محمود

صاحب کی ہیں۔'' (ص ۸۴ تا ۸۶)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا عبارت کی غلطیاں جوں کی توں کتاب ہی سے نقل کی گئی ہیں۔ بہرحال عبارت کے ناقل (جو غالباً عامر عزیز الازہری ہیں) نے قوسین کے درمیان اپنی طرف سے الفاظ بڑھا کر جملوں کو مکمل اور بامعنی بنانے کی کوشش کی ہے۔ جنابِ جاوید غامدی کا یہ لیکچر جماعتِ احمدیہ لاہور کے اس بنیادی موقف کی مکمل تائید کرتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور یہ مرزا بشیر الدین محمود تھے جنہوں نے غلو کرتے ہوئے مرزا صاحب کو نبی قرار دیا۔ اس لیکچر سے درج ذیل تین نکات اخذ ہوتے ہیں:

(۱) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تحریروں میں بالصراحت نبوت کے دعوے کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ پروفیسر الیاس برنی کی کتاب ''قادیانی مذہب'' اور مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''قادیانیت'' میں بھی مرزا صاحب کی کوئی ایسی تحریر نہیں ہے جس میں انہوں نے بالصراحت نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔

(۲) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے پہلے خلیفہ حکیم نور الدین مرزا صاحب کو اصطلاحی نبی نہیں سمجھتے تھے۔

(۳) احمدیوں کا لاہوری فریق (مولوی محمد علی لاہوری گروپ) شروع سے مرزا صاحب کو مجدد سمجھتا رہا ہے۔

قارئین اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کا موقف بھی وہی ہے جو مندرجہ بالا تین نکات میں بیان کیا گیا ہے۔ راقم اپنے مضمون ''غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ' دستورِ پاکستان اور قادیانیت'' میں حوالوں کے ساتھ ان تینوں نکات کی تردید کر چکا ہے۔ اس نے مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی ایسی چار تحریریں پیش کی ہیں جن میں انہوں نے بالصراحت نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ بھی عرض کیا گیا کہ مرزا صاحب کی ایسی بیسیوں تحریریں موجود ہیں۔ یہ بھی واضح کیا گیا کہ مرزا صاحب خود کو صرف لغوی معنی میں نبی نہیں کہتے بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ انہیں خدا نے نبی بنایا اور ان کا منکر مسلمان نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے ان کے مجموعۂ الہامات ''تذکرہ'' اور ان کی کتاب ''حقیقت الوحی'' کے اقتباسات پیش کیے تھے۔ راقم نے غامدی صاحب کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ جماعتِ احمدیہ لاہور کے بانی امیر مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے ریویو آف ریلیجنز (قادیان) کی ادارت کے دور میں اپنے بیسیوں ایسے مضامین اس پرچے میں شائع کیے جن میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لیے نبی اور

رسول کا لفظ استعمال کیا اور اشارۃً بھی نہیں لکھا کہ وہ ان الفاظ کو استعارے کے طور پر یا مجازی مفہوم میں استعمال کر رہے ہیں۔ آج ہفت روزہ ''پیغام صلح'' لاہور مرزا صاحب کی مجددیت کا علم بردار بنا ہوا ہے' لیکن اسی پرچے میں ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء کی اشاعت میں لکھا گیا:

''معلوم ہوا ہے کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبار ہذا [ہفت روزہ پیغام صلح لاہور] کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا وہادینا حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلاۃ و السلام کے مدارجِ عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت سے اخبار پیغام صلح سے تعلق ہے خدا تعالیٰ کو جو دلوں کا بھید جاننے والا ہے' حاضر و ناظر جان کر کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود کو اِس زمانے کا نبی' رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔'' (ص ۲)

اسی طرح راقم نے غامدی صاحب کے اس نقطۂ نظر کی حوالوں کے ساتھ تردید کی کہ مرزا غلام احمد صاحب کے پہلے جانشین حکیم نورالدین صاحب مرزا صاحب کو مامور من اللہ نبی نہیں مانتے تھے۔

اب ہم غامدی صاحب کے ''جوابی بیانیے'' کے نکتہ نمبر ۴ کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں۔ موصوف اپنے ''جوابی بیانیے'' میں لکھتے ہیں: ''دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں' اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں' مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علماء یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے' ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے' اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے' لیکن چونکہ اس کے حاملین قرآن و حدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں' اس لیے انہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ راقم کو یقین ہے کہ غامدی صاحب استاذ امام امین احسن اصلاحی کے بارے اس سوئے ظن کا شکار نہیں ہوں گے کہ وہ اسلام اور کفر کی حدود سے ناواقف تھے۔ استاذ امام نے اپنی متعدد تحریروں میں قادیانیوں کی تکفیر کی ہے۔ غامدی صاحب نے ان سے کیوں نہیں پوچھ لیا کہ قادیانی اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں' انہیں کیوں کر کافر قرار دیا جا سکتا ہے؟ غامدی صاحب سوشل میڈیا کے فورم فیس بک پر ایک مضمون میں اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تکفیر کے لیے اِتمام حجت ضروری ہے اور یہ صرف خدا ہی جانتا اور وہی بتا سکتا ہے کہ کسی شخص یا گروہ پر فی الواقع اتمام

حجت ہو گیا ہے اور اب ہم اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد اب یہ حق کسی فرد یا گروہ کو حاصل نہیں رہا کہ وہ کسی شخص کو کافر قرار دے۔''

httpp://daleel-pk/2016/09/06/6971

یہاں پھر غامدی صاحب سے سوال ہے کہ انہوں نے مولانا اصلاحی سے یہ کیوں نہیں پوچھ لیا کہ آپ کو کس ذریعے سے معلوم ہوا کہ قادیانیوں پر اتمام حجت ہو گیا ہے اور ان کی تکفیر کی جا سکتی ہے؟ [اس مضمون کے شروع میں عرض کیا گیا تھا کہ غامدی صاحب کی طرح جماعتِ احمدیہ لاہور کو بھی اپنے عقائد کے سبب ایک ایسے ہی مخمصے کا سامنا ہے۔ دراصل مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی کتابیں مداری کا پٹارہ ہیں۔ ان میں سے ہر چیز نکالی جا سکتی ہے۔ ان میں نزولِ مسیحؑ کا اقرار بھی ہے اور انکار بھی۔ آں حضرت ﷺ کو آخری نبی بھی کہا گیا ہے اور مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت بھی ہے۔ اِس وقت راقم کے سامنے احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی شائع کردہ کتاب مجاہدِ کبیر (مؤلفہ ممتاز احمد فاروق اور محمد احمد) ہے جو بانی جماعتِ احمدیہ لاہور' مولوی محمد علی لاہوری صاحب کی سوانح عمری ہے۔ اس کتاب کے آخری صفحے پر جماعتِ احمدیہ لاہور کے عقائد درج کیے گئے ہیں۔ عقیدہ نمبر ۲ کے تحت کہا گیا ہے:

''ہم آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ بالفاظِ بانی سلسلہ' حضرت مرزا غلام احمد صاحب ''جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔''

اور عقیدہ نمبر ۶ کے تحت کہا گیا ہے: ''ہم ہر اُس شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے مسلمان کہتے ہیں۔''

اسی طرح احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کے شائع کردہ کتابچے ''شہادتِ حقہ'' کے بیک ٹائٹل پر جماعتِ احمدیہ لاہور کی امتیازی خصوصیات کے زیرعنوان لکھا گیا ہے کہ ''جماعت احمدیہ لاہور ہر کلمہ گو کو مسلمان سمجھتی ہے۔''

یہاں جماعتِ احمدیہ لاہور سے مسلمان کی تعریف کرنے میں وہی غلطی ہوئی جو غامدی صاحب سے مسئلہ تکفیر پر غلط موقف اختیار کرنے کے نتیجے میں ہوئی اور اسے مخمصے کا سامنا ہے۔ بہرحال اس مخمصے کے حوالے سے یہ الگ بات ہے کہ اس نے ۱۹۱۴ء سے شترمرغ کے ریت میں سر چھپانے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ ''اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جا سکتی یا ہر کلمہ گو مسلمان

ہے'' بلاشبہ کلمۂ حق ہے' لیکن ایک خاص تناظر میں اس سے مراد باطل ہے۔ اس موضوع پر برصغیر کے ممتاز متکلم مولانا محمد عبدالعزیز پرہاروی کی کتاب ''**النبراس علی شرح العقائد**'' سے اہلِ سنّت کا موقف پیش کیا جاتا ہے:

''ہم اہلِ قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہلِ قبلہ سے لغوی اعتبار سے وہ شخص مراد ہے جو کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے یا اسے قبلہ مانے' لیکن متکلمین کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو ضروریاتِ دین کی تصدیق کرے' یعنی ان امور کی جن کا ثبوت شرع سے معلوم و مشہور ہے۔ لیکن جس شخص نے ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا انکار کیا' مثلاً حدوثِ عالم کا' یا حشر اجساد کا یا اللہ تعالیٰ کے علم بالجزئیات کا' یا فرضیتِ صلوٰۃ وصوم کا' تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہے' خواہ وہ طاعات میں مجاہدہ کرتا ہو۔ اسی طرح جس شخص نے ایسا کام کیا جو دین کی تکذیب کی علامات میں سے ہے' جیسے بتوں کو سجدہ کیا یا کسی شرعی امر کی توہین واستہزا کا مرتکب ہوا' تو وہ اہلِ قبلہ میں سے نہیں ہے۔ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان فقط اس وجہ سے کافر قرار نہیں دیا جائے گا کہ اُس نے گناہ کیا ہے۔''

اہلِ سنت کے نزدیک ضروریاتِ دین کا انکار کرنے والے کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں ہے' خواہ وہ تمام عمر اہلِ قبلہ میں سے رہا ہو اور راقم کو یقین ہے کہ جاوید غامدی صاحب ضروریاتِ دین سے اچھی طرح واقف ہیں۔

اب ہم مسلمان کی تعریف کے سلسلے میں جماعت احمدیہ لاہور کے موقف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس جماعت کا موقف اس کی شائع کردہ کتاب ''مجاہد کبیر'' اور کتابچے ''شہادتِ حقہ'' کے حوالے سے پیش کیا جا چکا ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ بات اتنی سادہ نہیں ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے' بلکہ جماعت احمدیہ لاہور اُس جماعت کو بھی مسلمان قرار دیتی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی حقیقی نبی تھے اور اُن کی نبوت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ راقم کی مراد جماعت احمدیہ قادیان (اب ربوہ) سے ہے۔ جماعت احمدیہ قادیان (اب ربوہ) کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود (م ۱۹۶۵ء) نے یہ بھی لکھا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت جاری ہے اور ایک نبی تو کیا ہزاروں نبی آئیں گے۔ حوالے کے لیے اُن کی درج ذیل تحریریں ملاحظہ ہوں:

''یہ بات بالکل روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ آں حضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دورازہ کھلا ہے۔'' (حقیقۃ النبوت' ص ۲۲۸)

''انہوں نے (یعنی مسلمانوں نے) یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا کے خزانے ختم ہو گئے..... ان کا یہ سمجھنا خدا تعالیٰ کی قدر کو ہی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے' ورنہ ایک نبی کیا میں تو کہتا ہوں ہزاروں نبی ہوں گے۔'' (انوارِ خلافت' ص ۶۲)

''اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آں حضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اُسے ضرور کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے' کذاب ہے' آپؐ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔'' (انوارِ خلافت' ص ۶۵)

حیرت ہے کہ جماعت احمدیہ لاہور کے مسیح موعود و بانی سلسلۂ احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی تو جماعتِ احمدیہ لاہور کی شائع کردہ کتابوں کے مطابق ختم نبوت کے منکر کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھیں اور جماعتِ احمدیہ لاہور اُسے مسلمان قرار دے۔ درحقیقت یہ مسلمان کی غلط تعریف کا شاخسانہ ہے جس میں جماعتِ احمدیہ لاہور ایک صدی سے مبتلا ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور کے نزدیک جماعت احمدیہ ربوہ کا status کیا ہے؟ اس کی وضاحت جماعت کے ترجمان' ہفت روزہ ''پیغام صلح'' لاہور کے ایک اداریے کے اس اقتباس سے ہوتی ہے۔ یہ اقتباس ماہنامہ ''طلوع اسلام'' لاہور کے حوالے سے نقل کیا جاتا ہے۔ بطور تمہید ''طلوعِ اسلام'' لکھتا ہے: گزشتہ سال جب یہ سوال اٹھا کہ احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تو لاہوری جماعت کے ترجمان ''پیغام صلح'' نے اپنی ۳۰ مئی ۱۹۷۳ء کی اشاعت میں لکھا:

''ان حالات میں اول تو کسی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا صحیح نہیں اور اگر اس شوق کو پورا ہی کرنا ہے..... تو کم از کم احمدیوں کے اس گروہ کو اس سے مستثنیٰ کرنا ضروری ہے جو حضرت خاتم النبیینؐ کے بعد کسی بھی نبی کے آنے کے قائل نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہم قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے حق میں ہیں۔ ہمارے نزدیک قادیانی ہو یا غیر قادیانی ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اس کو غیر مسلم قرار دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔'' (ماہ نامہ طلوع اسلام لاہور' جولائی ۱۹۷۴ء' ص ۱۵)

جماعتِ احمدیہ لاہور کا جماعت احمدیہ ربوہ کے بارے یہ موقف اُس کے اِس عقیدے کا منطقی نتیجہ ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان ہے۔ اگر وہ جماعت احمدیہ ربوہ کی تکفیر کرتی ہے تو اسے اپنے اس عقیدے سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اس نے یہ عقیدہ ایک صدی سے اختیار کر رکھا ہے۔ بہرحال راقم کی دعا ہے کہ' سو سال بعد ہی سہی' جماعتِ احمدیہ لاہور اس مخمصے سے نکل آئے۔

❁❁❁

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۱۱)

مرتب: پروفیسر حافظ قاسم رضوان

☆

حضرت مولانا محمد یوسفؒ (امیر تبلیغی جماعت) اور اباجی

اباجی کا مولانا محمد یوسفؒ سے تعارف اسی وقت ہوگیا تھا جب بلوچستان سے آکر اباجی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اباجی بتایا کرتے تھے کہ اُس وقت مولانا محمد یوسف تقریباً دس، بارہ سال کے بچے تھے اور مہمانوں کو کھانا وغیرہ کھلانا اور ان کی خدمت بھی آپ کے سپرد تھی۔ چنانچہ اس طویل ملاقات میں مولانا محمد الیاس نے کئی مرتبہ 'یوسف! ادھر آؤ' کہہ کر آپ کو پکارا۔ اللہ تعالیٰ نے اباجی کی زندگی میں ہی مولانا محمد یوسفؒ کو تبلیغ کا امام بنادیا اور اپنے حلقہ میں 'حضرت جی' کے نام سے معروف ہوئے۔

مولانا محمد یوسف کی ولادت ۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰/مارچ ۱۹۱۷ء کاندھلہ میں مولانا محمد الیاسؒ کے گھر ہوئی۔ والدہ ماجدہ ایک بزرگ مولانا رؤف الحسنؒ کی صاحبزادی اور بڑی اللہ والی تھی۔ تقریباً دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ آپ کی تعلیم وتربیت میں والد ماجد کے علاوہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کا بھی بڑا عمل دخل رہا۔ ابتدائی تعلیم زیادہ تر مولانا محمد الیاس کی زیرنگرانی مدرسہ کاشف العلوم، بستی نظام الدین میں حاصل کی۔ اس کے ساتھ مولانا احتشام الحسن صاحبؒ سے بھی کتب پڑھیں۔ جب حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۱۳۵۱ھ میں حج کے لیے جانے لگے تو آپ کو مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور میں داخل کرادیا۔ حج سے واپسی پر دوبارہ مولانا محمد یوسف مدرسہ بستی نظام الدین آگئے۔ اس کے بعد ۱۳۵۴ھ میں آپ کو دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے دوبارہ مدرسہ مظاہر العلوم بھیج دیا گیا۔ یہاں مولانا انعام الحسنؒ بھی آپ کے رفیق درس تھے۔ ان ایام کا وہ یوں ذکر کرتے ہیں کہ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ

رات کے ابتدائی حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا۔ اور آدھی رات ہوجانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پی کر سو جائے گا۔ اور اس دوسرے کے ذمے ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لیے وہ سونے والے ساتھی کو اٹھائے گا۔ ایک دن مولانا محمد یوسف صاحب شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی۔

۱۳۵۴ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور کے سالانہ جلسہ کے موقع پر مولانا محمد یوسفؒ کا نکاح حضرت شیخ الحدیث کی صاحبزادی سے ہوا اور تقریباً ایک سال کے بعد رخصتی بھی ہوگئی۔

پہلا حج مولانا محمد یوسف نے ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں مولانا محمد الیاس اور اکابرین کی ایک جماعت کے ساتھ کیا اور عربی میں دعوتی تقریر بھی کی۔ لیکن مولانا محمد الیاسؒ کی حیات کا تقریباً پورا دور مولانا محمد یوسف علمی مشاغل میں مصروف رہے اور تصنیف وتالیف کا شوق آپ پر غالب رہا۔ والد ماجد کی دعوت وتبلیغ سے آپ کو کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، گویا دعوت وتبلیغ آپ کے لیے دوسرے درجے کا کام تھا۔ لیکن مولانا محمد الیاس کو جو تڑپ اور بے چینی دعوت وتبلیغ کے لیے تھی، اس حوالے سے وہ چاہتے تھے کہ ان کا فرزند بھی اس میں ان کا شریک ہوجائے، اس لیے بعض دفعہ کرختگی سے حکماً مولانا محمد یوسف کو تبلیغی گشت میں میوات بھیجتے اور مولانا کبھی کبھی تبلیغی اجتماعات میں بھی شرکت فرمالیتے۔ سب سے پہلی تقریر اپنے والد ماجد کی موجودگی میں مولانا محمد یوسف نے قصبہ نوح، علاقہ میوات میں کی۔ مولانا محمد الیاس نے اس تقریر پر بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا: ''یہ لڑکا کام کرلے جائے گا''۔ اسی طرح ۱۹۴۱ء میں آپ نے میوات کے قصبہ خیرتل میں ایک تبلیغی اجتماع میں تقریر فرمائی اور مولانا محمد الیاسؒ نے یوں تحسین فرمائی: ''یوسف نے اچھی تقریر کی''۔ اس طرح میوات میں مولانا محمد الیاس کے حکم پر مولانا نے ایک تبلیغی چلّہ لگایا۔ یوں یہ سلسلہ کچھ نہ کچھ چل نکلا۔ اس ضمن میں مولانا محمد منظور نعمانی کا یوں بیان ہے: ''وہ (حضرت جی) جتنا کچھ ان دنوں اس سلسلہ میں کرتے اور حصہ لیتے تھے، وہ اپنے والد ماجد اور شیخ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کے حکم کی تعمیل میں اور ان کی خوشنودی کے لیے کرتے تھے۔''

جب مولانا محمد الیاسؒ کی آخری علالت کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا اور لوگوں میں اضطراب پھیلنے لگا تو آپ کی جانشینی کے بارے میں بھی ذہنوں میں سوال اٹھنے لگے اور فکر ہونے لگی۔ اس ضمن میں حضرت شیخ الحدیث یوں رقم طراز ہیں: چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاسؒ) کا

انتقال ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳/ جولائی ۱۹۴۴ء پنج شنبہ کو صبح کی اذان کے وقت ہوا۔ اس سے دو روز قبل چچا جان نے ارشاد فرمایا کہ میرے آدمیوں میں سے یہ چند قابل اجازت ہیں: (۱) حافظ مقبول حسن صاحب (۲) قاری داؤد صاحب (۳) مولوی احتشام الحسن صاحب کاندھلوی (۴) مولوی محمد یوسف صاحب کاندھلوی (۵) مولوی محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی (۶) مولوی سید رضا حسن صاحب بھوپالی۔ ان میں سے تم اور حضرت رائے پوری مشورہ سے جس کو تجویز کرو' میرے سامنے ہی بیعت کرا دو۔ میری رائے حافظ مقبول کے متعلق تھی' اس لیے کہ وہ بہت قدیم اجازت یافتہ تھے اور بہت عرصہ سے انہماک سے ذکر و شغل کرتے تھے' لیکن حضرت رائے پوری کی رائے مولوی یوسف کے متعلق تھی۔ چچا جان نور اللہ مرقدہ کے سامنے جب دونوں رائیں آئیں تو انہوں نے فرمایا: ''اہلِ میوات جتنا یوسف پر جمع ہو سکتے ہیں' اور کسی پر نہیں ہو سکتے''۔ میں نے کہا پھر بس وہ متعین ہے۔ اس طرح تمام مشوروں کے بعد مولانا محمد یوسف کو اپنے والد ماجد کی اجازت و خلافت دی گئی اور سند خلافت حضرت شیخ الحدیث نے تحریر فرمائی۔

'انتقالِ نسبت' صوفیائے کرام کے یہاں ایک اصطلاح ہے اور وہ کبھی کبھی اس طرح ظہور کرتی ہے کہ لوگ خدا کی اس شان عطائی پر سراپا حیرت و استعجاب بن کر رہ جاتے ہیں۔ جو لوگ علماء و مشائخ اور صوفیاء کے حالات کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں' وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اکثر بڑے بڑے مجاہدوں اور برسوں محنت و مشقت کے بعد اس مرتبہ پر فائز ہو کر اپنے شیخ کے صحیح جانشین بن جاتے ہیں' لیکن کبھی کبھی یہ دولت عظمیٰ وہبی طور پر کسی کو مل جاتی ہے اور لوگوں کے خیال و تصور کے برعکس وہ اس عالی مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ مولانا محمد یوسف کے ساتھ بھی خدا کی اسی شانِ عطائی کا معاملہ ہوا اور اس انتقالِ نسبت کا ظہور یکا یک ہوا۔ دیکھنے والی آنکھوں کو بخوبی ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ کا کرشمہ نظر آیا۔

حضرت شیخ الحدیث اس بارے میں درج ذیل الفاظ تحریر فرماتے ہیں: چچا جان (مولانا محمد الیاسؒ) کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس (مولانا محمد یوسف) نے کی۔ جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہ کی نسبت خاصہ منتقل ہوئی ہے اور ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا۔ اس کے بعد اس کی ترقیات کو دیکھتا رہا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے اپنی بات کو نہایت جرأت

اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد اس کی گفتگو اور تقاریر میں انوار و تجلیات کا ظہور پیدا ہوا۔ کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ شفقت و محبت کا یہ ثمرہ ہو۔

چہ باید مرد را طبعِ بلندے' مشربِ نابے
دلِ گرمے' نگاہِ پاک بینے' جانِ بے تابے

''ایک انسان کو (مکمل انسان بننے کے لیے) ضرورت ہے اعلیٰ ظرف اور خالص عقیدے کی۔ (اس کے سینے میں سوزِ عشق سے) تپتا ہوا دل ہو' اس کی نظر پاک ہو' روح مضطرب اور بے چین ہو۔''

مولانا محمد یوسف کی تو ساری عمر ہی دعوت و تبلیغ اور تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتے گزری۔ ذیل میں اہم اجتماعات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ مولانا محمد الیاس کی وفات کے فوراً بعد اگست ۱۹۴۴ء مطابق شعبان ۱۳۶۳ھ میوات کے علاقے نوح میں ایک تبلیغی اجتماع ہوا' جس میں حضرت جی کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث نے بھی شمولیت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت جی نے میوات کے دو تفصیلی دورے کیے اور سارے کام کا جائزہ لے کر اسے مزید بڑھانے کے مشورے ہوئے۔ مالپ' قصبہ نوح کے نزدیک ایک علاقہ ہے۔ یہاں بھی محرم ۱۳۶۴ھ میں ایک اہم اجتماع ہوا جس میں اہل میوات کے علاوہ پشاور' کلکتہ' لکھنؤ اور دہلی کے تبلیغی حضرات بھی شامل ہوئے۔ حضرت جی کے علاوہ حضرت شیخ الحدیث' ڈاکٹر ذاکر حسین' سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی وغیرہ نے بھی اس اجتماع میں شرکت فرمائی۔ جنوری ۱۹۴۵ء میں مراد آباد میں ایک اہم اجتماع ہوا' جس میں دور دور سے لوگ حاضر ہوئے۔ اس تبلیغی اجتماع کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حضرت جی کے علاوہ دیگر اکابرین حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری' حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی' حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا بھی شریک ہوئے۔

تبلیغی جماعت کی تاریخ میں مولانا محمد یوسف کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ کے ابتدائی عہد میں ہی بیرونِ ملک تبلیغی کام شروع ہو گیا تھا۔ اس کی ابتدا جنوری ۱۹۴۶ء میں لندن کے گشت سے ہوئی۔ مئی ۱۹۴۶ء میں حضرت جی نے ایک جماعت کے ساتھ کلکتہ کا سفر کیا۔ وہاں ایک تبلیغی اجتماع میں دعوت و تبلیغ کی ابتدا ہوئی۔ اواخر مئی ۱۹۴۶ء میں ہی حضرت جی نے کراچی کے اجتماع میں شرکت فرمائی اور وہاں سے ایک ہفتہ کے تبلیغی دورے کے لیے قلات

(بلوچستان) تشریف لے گئے۔ فروری ۱۹۴۷ء میں حضرت جی نے ایک بڑے تبلیغی قافلے کے ہمراہ لکھنؤ اور رائے بریلی کا تقریباً ایک ہفتے کا سفر کیا۔ میزبانی کا شرف سید ابوالحسن علی ندوی اور اہل ندوۃ العلماء کو حاصل ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں ہی حجاج کرام کی روانگی کے موقع پر حضرت جی نے کراچی کا سفر کیا اور تبلیغی اجتماعات سے خطاب فرمایا' نیز تبلیغی جماعتوں کو حجاز مقدس روانہ فرمایا۔ یوں عرب میں تبلیغی کام کی بنیاد پڑی۔

اس دوران ہی تقسیم برصغیر اور ساتھ مسلمانوں کی قتل و غارت اور لوٹ مار کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ چونکہ بستی نظام الدین کے اسٹیشن سے ہی پناہ گزینوں کے لیے اسپیشل (خصوصی) ریل گاڑی چلا کرتی تھی۔ اس لیے لٹے پٹے مسلمانوں کا ہجوم اکثر یہاں گاڑی کے انتظار میں پڑا رہتا۔ حضرت جی نے ایک تو ان کی ضروریات اور کھانے پینے کا خوب دھیان رکھا' اور دوسروں کو بھی اس کے لیے متوجہ کرتے رہے۔ دوسرے ان میں اور دہلی کے دوسرے کیمپوں میں دعوت و تبلیغ کا کام زور و شور سے شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ بڑا پر آشوب دور تھا اور اکثر بہی خواہوں نے اس وقت حضرت جی کو مصلحت کے تحت تبلیغی کام کرنے سے روکا۔ لیکن آپ کی بے قرار طبیعت کو قرار نہیں آیا اور تبلیغی کام کو آپ نے جان جوکھوں میں ڈال کر بھی نہیں روکا۔ اسی طرح آپ کو پاکستان منتقل ہونے یا عارضی طور پر مرکز چھوڑ دینے کے مشورے دیے گئے لیکن آپ کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ اس تمام عرصہ میں حضرت شیخ الحدیث بھی آپ کے ساتھ مقیم رہے۔ مرکز میں خصوصی دعاؤں اور وظائف کا بھی اہتمام رہا۔ اس کڑے وقت اور ہزاروں دقتوں میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا احسان حضرت جی اور اہلِ جماعت کبھی نہیں بھولے۔ جہاں بھی تبلیغی جماعت والے جانا چاہتے' وہ مولانا سیوہاروی کے پاس پہنچتے اور وہ (جماعت کو) فوراً پرچہ لکھ دیتے کہ یہ جماعت ہماری جماعت ہے۔ اس پرچہ کو لے کر جماعت جہاں جانا چاہتی چلی جاتی اور پولیس کہیں بھی مزاحم نہ ہوتی۔

اس دور میں ایک طرف تو حضرت جی کی بے خانماں افراد میں کثرت سے تقریریں ہو رہی تھیں۔ آپ کے عزم و ثبات' ایمان و یقین اور ایمان پرور الفاظ نے گویا زخم پر پھاہے کا کام دیا اور ٹوٹے ہوئے لوگوں کے قدموں کو جما دیا۔ اس کا اندازہ ایک تقریر کے اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

''تم حضور ﷺ کے نمونے پر بننا شروع کر دو' جتنا بننا ہوگا (وہ) بن جائے گا اور جو بننے

والا نہیں ہوگا اور بننے والوں کے لیے رکاوٹ بنے گا' خدا اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے۔ تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو' خدا کے نزدیک ان کی حیثیت مکڑیوں کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس دنیا میں پاکیزہ انسانوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے ہیں۔ جب حضور ﷺ کی سعی سے پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا کے عذاب کے ایک جھاڑو سے روم و فارس کے جالے صاف کر دیے گئے تھے' بالکل یہی صورت روس امریکہ کی ہوگی۔''

گویا حضرت جی کے نزدیک یہ ساری تباہی درحقیقت اپنے اعمالِ بد کی بدولت آئی تھی' جو اعمال کی درستگی اور اللہ کی راہ میں محنت کرنے سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ اس کے بغیر ظاہری طاقت و قوت اس تباہی کو دور نہیں کر سکتی۔ خصوصاً میوات کے اجڑنے سے حضرت جی کے دل پر خاص چوٹ لگی۔ وہ چمن جس کی اصلاح اور آبیاری کے لیے حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے ساری زندگی ختم کر دی' جہاں صدہا مدارس اور مکاتب کھولے جن میں دن رات تلاوت قرآن اور درس و تدریس ہوئی اور جہاں سے سینکڑوں حفاظ' قراء اور دین کا علم رکھنے والے تیار ہوئے' وہ چمن آگ کی لپیٹ میں آ کر چشم زدن میں ویران ہو گیا۔

دوسری طرف حضرت جی نے بہت سے لوگوں (خصوصاً ضعفاء) کو اوراد کے لیے تقریباً متعین کر دیا تھا' جس میں آیۂ کریمہ اور سورۂ یٰسین کا ختم' حصن حصین وغیرہ کا بہت اہتمام ہوتا تھا۔ ساتھ ہی ذکر الٰہی' تلاوت اور دعا وغیرہ میں بھی دیگر افراد مصروف رہے۔ اسی وجہ سے دعوت و تبلیغ والوں کی اللہ تعالیٰ نے خصوصی حفاظت فرمائی۔

تقسیمِ ہند کے بعد حالات کے کچھ سنبھلنے پر حضرت جی نے دوبارہ دعوت و تبلیغ اور اجتماعات کا نظام شروع کر دیا۔ اس ضمن میں پہلا قابل ذکر اجتماع فروری ۱۹۴۸ء میں رائے پور میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی سرپرستی میں ہوا۔ جون ۱۹۴۸ء میں لکھنؤ میں حضرت جی نے شیخ الحدیث اور دیگر اکابرین کے ساتھ تبلیغ کی نئی صورتوں کے بارے میں مشورہ کیا۔

مارچ ۱۹۵۰ء میں مگراہاٹ (نزد کلکتہ) ایک بڑا تبلیغی اجتماع ہوا جس میں حضرت جی' مولانا انعام الحسن' حافظ فخر الدین اور دیگر اکابرین نے شرکت فرمائی۔ قاری محمد طیب صاحب' مہتمم دارالعلوم دیوبند خصوصی طور پر شامل ہوئے۔ بھوپال میں فروری ۱۹۵۲ء میں ایک بڑا اجتماع ہوا' جس میں حضرت جی' مولانا منظور نعمانی' سید ابوالحسن علی ندوی اور دیگر تبلیغی اکابرین نے شرکت کی۔ اسی طور پر مئی ۱۹۵۲ء میں کانپور اور اپریل ۱۹۵۳ء میں مراد آباد میں تبلیغی

اجتماعات منعقد کیے گئے جن میں حضرت جی نے بھی شرکت فرمائی۔ نومبر ۱۹۵۳ء میں علی گڑھ میں اجتماع ہوا اور حضرت جی نے یونیورسٹی طلبہ کے سامنے دعوت و تبلیغ کا کام رکھا۔ جون ۱۹۵۴ء میں سہارنپور کے ایک اجتماع میں حضرت جی کی شرکت ہوئی۔ جنوری ۱۹۵۸ء میں حضرت جی نے اپنے رفقاء کے ہمراہ مدراس کا ایک تبلیغی دورہ کیا اور مختلف اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ جولائی ۱۹۵۸ء میں آگرہ کے اجتماع میں حضرت جی شامل ہوئے اور دسمبر ۱۹۵۸ء میں لکھنؤ اور سیتاپور کے اجتماعات میں آپ کے خطاب ہوئے۔

فروری ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم ندوہ' لکھنؤ میں ایک عظیم الشان سہ روزہ اجتماع منعقد ہوا' جس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں اور بیرونِ ملک سے بھی تبلیغی جماعتیں شامل ہوئیں اور لوگوں نے کثرت سے تبلیغ میں وقت دیا۔ فروری ۱۹۶۲ء میں چھاپی میں ایک بڑا اجتماع ہوا جس میں مختلف اطراف خصوصاً گجرات کے علاقے سے کافی لوگ شامل ہوئے۔ حضرت جی کے خطابات ہوئے اور جماعتیں بھی نکلیں۔

عرب میں پے در پے تبلیغی جماعتوں کی روانگی اور وہاں کئی کئی چلے لگانے کی وجہ سے وہاں کے لوگ بھی ہندوستان آنا شروع ہو گئے تھے۔ جولائی ۱۹۶۲ء میں ایک عرب جماعت شیخ محمد یوسف حلبی کی معیت میں نظام الدین پہنچی۔ اس کے بعد دیوبند سے ہوتی ہوئی یہ جماعت سہارنپور گئی۔ یہاں کے اجتماع میں حضرت جی اور مولانا انعام الحسن نے بھی شرکت کی۔ اس کے بعد لکھنؤ میں بھی ایک اجتماع ہوا۔ مئی ۱۹۶۳ء میں حضرت جی نے مع اپنے رفقاء کے جنوبی ہند کا ایک تبلیغی دورہ کیا۔ جولائی ۱۹۶۳ء میں بستی نظام الدین میں تاجروں کا ایک بڑا اجتماع ہوا' جس میں پاکستانی تجار نے بھی شرکت کی۔ نومبر ۱۹۶۴ء میں کاوی (صوبہ گجرات) میں ایک کامیاب تبلیغی اجتماع ہوا جس میں حضرت جی بھی شامل ہوئے اور اجتماع کے بعد تبلیغی جماعتیں بھی نکلیں۔

اتفاق کی بات ہے کہ حضرت جی نے مولانا محمد الیاسؒ کی وفات کے بعد جب تبلیغ کے کام کو سنبھالا تو سب سے پہلا اجتماع مراد آباد میں کیا اور آپ کی زندگی کا آخری بڑا اجتماع بھی مراد آباد میں ہی ہوا۔ نومبر ۱۹۶۴ء کے اس اجتماع میں حضرت جی شامل ہوئے۔ عوام' خواتین' طلبہ اور علماء کے الگ الگ اجتماعات میں حضرت جی کی تقاریر ہوئیں۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ کا بالکل آخری اجتماع حضرت شیخ الحدیث کی ہمراہی میں دسمبر ۱۹۶۴ء میں سہارنپور میں ہوا۔

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان میں رائے ونڈ کو تبلیغی تحریک کا مرکز بنایا گیا اور پرانے احباب

کا جوڑ ہوا۔ پہلا بڑا اجتماع دسمبر ۱۹۴۷ء میں کراچی میں ہوا جس میں حضرت جی کی بھی شرکت ہوئی۔ لاہور کا پہلا تبلیغی اجتماع مارچ ۱۹۴۸ء میں ہوا جس میں حضرت جی کی بھی شمولیت ہوئی۔ مئی ۱۹۴۸ء میں راولپنڈی کا اجتماع ہوا' جس میں حضرت جی نے بھی شرکت فرمائی اور جماعتوں کی بھی تشکیل ہوئی۔ اپریل ۱۹۵۰ء میں پشاور میں صوبہ سرحد کا ایک بڑا اجتماع رکھا گیا جس میں حضرت جی کے ساتھ مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ اور حافظ فخر الدین بھی شامل ہوئے۔ یہاں جماعتوں کی بھی تشکیل ہوئی۔ بعد میں تقریباً دس دن حضرت جی کا کراچی میں قیام رہا اور مختلف اجتماعات میں شرکت ہوئی۔ اپریل ۱۹۵۲ء میں حضرت جی سکھر کے اجتماع میں شریک ہوئے۔ بعد میں کچھ دیگر شہروں میں بھی جانا ہوا۔ جولائی ۱۹۵۳ء میں حضرت جی نے پاکستان کا ایک دورہ کیا اور خصوصاً کراچی' بہاولپور اور ملتان تشریف لے گئے۔ جنوری ۱۹۵۴ء میں حضرت جی نے مع مولانا انعام الحسن مشرقی پاکستان کا پہلا سفر کیا اور ڈھاکہ کے اجتماع میں شرکت فرمائی۔ تبلیغی جماعتیں بھی اللہ کے راستے میں نکلیں۔ اپریل ۱۹۵۴ء میں حضرت جی نے رائے ونڈ کے سہ روزہ اجتماع میں شرکت کی اور جماعتوں کی تشکیل فرمائی۔ مارچ ۱۹۵۵ء میں حضرت جی دوبارہ رائے ونڈ کے اجتماع میں شامل ہوئے۔ بعد میں آپ نے راولپنڈی' کراچی اور لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کا بھی دورہ کیا۔

اکتوبر ۱۹۵۶ء میں رائے ونڈ کے سہ روزہ تبلیغی اجتماع میں حضرت جی کی شمولیت ہوئی۔ بعد میں کراچی اور راولپنڈی کے اجتماعات میں آپ کا جانا ہوا۔ ۱۹۵۷ء کے رائے ونڈ کے اجتماع میں بھی حضرت کی شرکت ہوئی۔ بعد میں آپ نے کچھ دوسرے شہروں کا بھی دورہ کیا۔ اسی طرح حضرت جی نے ۱۹۵۹ء میں رائے ونڈ کے اجتماع میں شرکت کی اور مختلف شہروں کا دورہ بھی کیا۔ بعد میں مشرقی پاکستان کا بھی ایک تبلیغی دورہ ہوا۔ مارچ ۱۹۶۱ء میں حضرت جی کی رائے ونڈ کے اجتماع میں شمولیت ہوئی' حسبِ معمول جماعتوں کی تشکیل بھی ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے پاکستان کا تقریباً ایک ماہ کا تبلیغی دورہ بھی کیا۔ اسی طرح نومبر ۱۹۶۲ء میں حضرت جی نے مع رفقاء کے مشرقی پاکستان کا تبلیغی دورہ کیا اور جماعتیں تشکیل دیں۔ مارچ ۱۹۶۳ء میں حضرت جی' مولانا انعام الحسن اور دوسرے تبلیغی رفقاء نے رائے ونڈ کے اجتماع میں شرکت کی اور دیگر شہروں کے اجتماعات میں بھی شمولیت فرمائی۔ ۱۹۶۴ء میں حضرت جی اور حضرت شیخ الحدیث نے مع رفقاء کے حج کیا' واپسی پر کراچی پہنچے۔ وہاں سے بذریعہ ٹرین فیصل آباد اور پھر سرگودھا سے ہوتے ہوئے یہ قافلہ ڈھڈیاں پہنچا۔ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے مرقد

مبارک پر حاضری ہوئی اور کچھ دن قیام بھی رہا۔ لاہور اور رائے ونڈ سے ہوتے ہوئے ان حضرات کی دہلی واپسی ہوئی۔ فروری ۱۹۶۵ء میں حضرت جی اور مولانا انعام الحسن مع رفقاء کے لاہور پہنچے اور بذریعہ جہاز مشرقی پاکستان روانگی ہوئی۔ تقریباً تین ہفتوں کے دورے کے بعد بذریعہ جہاز حضرت جی کراچی پہنچے۔ مختلف شہروں کا دورہ کرتے ہوئے حضرت جی کی مارچ کے تیسرے ہفتے میں رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت ہوئی۔ اس موقع پر ایک خصوصی تقریر میں امت بننے کی تشریح کو بڑے جامع انداز میں بیان فرمایا اور آخر میں اپنے افسوس کا اظہار یوں کیا:

''مسلمان ساری دنیا میں اس لیے پٹ رہا ہے کہ اس نے اپنے امت بننے کو ختم کر کے حضور ﷺ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے۔ میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں۔ ساری تباہی اس وجہ سے ہے کہ امت' امت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ امت کیا ہے اور حضور ﷺ نے کس طرح امت بنائی تھی۔ اگر مسلمان پھر امت بنائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو ختم نہیں کر سکیں گے۔ اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم! تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں بھی تم کو نہیں بچا سکیں گی۔''☆

رائے ونڈ سے لاہور واپسی ہوئی اور یہاں سے ۲/اپریل بروز جمعہ بذریعہ ٹرین ہندوستان روانگی طے تھی' مگر مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کچھ عرصہ سے حضرت جی کی طبیعت ناساز اور نبض کی رفتار مقررہ حد سے زیادہ بڑھے جانے کی شکایت رہتی تھی۔ آپ اکثر فرماتے کہ مجھ کو پسینہ آتا ہے اور تھوڑا چلنے پر سانس پھولتی ہے' لیکن آپ کے تبلیغی اسفار' تقاریر اور دیگر مصروفیات بھی حسب سابق چلتی رہیں۔ پاکستان کے آخری سفر اور اس کی مشغولیتوں نے گویا حضرت جی کو تھکا کر بالکل چور چور کر دیا تھا اور آپ سانس کی نالی میں چبھن محسوس کرنے لگے

☆ یہاں بے اختیار علامہ اقبال کی یہ رباعی دماغ میں گھومنے لگ گئی ؎

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینہ ادراک میں ہے
نہ ستارے میں ہے' نے گردشِ افلاک میں ہے
تری تقدیر مرے نالۂ بیباک میں ہے
(راقم)

تھے۔ ہندوستان روانگی سے پہلے شبِ جمعہ کو بلال پارک (تبلیغی مرکز' لاہور) میں اجتماع تھا۔ حضرت جی کی روانگی کی خبر سن کر مجمع بھی کافی زیادہ آیا ہوا تھا۔ پاکستان کے اس آخری اجتماع میں تقریر کے لیے حضرت جی کی طبیعت بالکل آمادہ نہیں تھی اور یہ آپ کی زندگی میں بالکل غیر معمولی اور نئی بات تھی۔ اس لیے کہ اپنی زندگی کی سخت سے سخت تکلیف میں بھی حضرت جی نے تقریر اور گفتگو سے پرہیز نہ کیا تھا اور نہ ہی کبھی آپ کی طبیعت اس سے انکاری ہوئی تھی۔ بالآخر حضرت جی نے اپنی جگہ مولانا محمد عمر پالن پوری کو تقریر اور تشکیل کے لیے بھیج دیا' لیکن مجمع چونکہ غیر معمولی تھا اور وہ صرف حضرت جی کو ہی سننے آیا ہوا تھا' اس لیے سامعین کے جذبات اور کچھ آپ کی تکلیف کا پورا احساس نہ ہونے پر مخلصین نے آخر کار آپ کو تقریر کے لیے آمادہ کر لیا۔ اسی تگ و دو کے دوران احباب سے سوال و جواب کرتے ہوئے درمیان میں فرمایا کہ بھائی ہماری منزل تو پوری ہو چکی۔ اور جب اس پر مولانا انعام الحسن نے کہا کہ ابھی کہاں! ابھی تو آپ کو چین' روس' امریکہ اور ہندوستان میں اسلام پھیلانا ہے اور سارے ممالک میں اسلام کی دعوت پہنچانی ہے تو حضرت جی نے فرمایا: پالیسی مکمل ہو چکی' اب کرنے والے کرتے رہیں گے۔ بعد میں تیار ہو کر حضرت جی نے تقریباً سوا گھنٹے کی تقریر فرمائی اور تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک نماز کی ایک ایک بات کی تشریح کی۔ آخر میں دعا کے بعد جلدی (ساتھ ہی) قیام گاہ کی طرف چلے' لیکن راستے میں حضرت جی سنبھالنے کے باوجود لڑکھڑائے اور غشی طاری ہو گئی۔ نزدیکی رفقاء نے اٹھا کر چارپائی پر لٹایا اور دیگر ساتھی بھی اکٹھے ہو گئے۔ ایک حکیم صاحب کی جیب میں جواہر مہرہ تھا۔ انہوں نے گرم دودھ کے ساتھ دیا تو ہوش آ گیا' بدن گرم اور نبض چل پڑی۔

دل کے حملے کا پتہ چلنے پر لاہور کے مشہور ماہر قلب ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ کو بلانا تجویز ہوا۔ رات گیارہ بجے کے لگ بھگ وہ آئے۔ حضرت جی کا معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ یہ دل کا شدید حملہ تھا۔ انہوں نے ہسپتال لے جانے پر اصرار کیا اور حرکت سے بالکل ہی منع کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کر دی کہ تین دن بہت احتیاط کے ہیں' حملہ دوبارہ بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے دن جمعہ کی صبح کا وقت حضرت جی نے نسبتاً افاقہ سے گزارا' دوائی' چائے پی اور پان بھی کھایا۔ چونکہ ہندوستان روانگی طے تھی' اس لیے حضرت جی کو اس بارے میں بھی فکر تھی۔ طے پایا کہ وہاں اطلاع کر دی جائے۔ چنانچہ محمد شفیع قریشی صاحب نے حضرت شیخ الحدیث کو

سہارنپور طبیعت کی ناسازی اور سفر ملتوی ہونے کا تار دے دیا۔ گیارہ بجے کے لگ بھگ ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ دیکھنے آئے۔ طبیعت کا سن کر انہوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔ احتیاط کی تاکید کی اور مزید حملے کا بھی خدشہ ظاہر کیا۔ اسی دوران نمازِ جمعہ کا وقت ہو گیا تو اکثر رفقاء نماز کی ادائیگی کے لیے ملحقہ مسجد چلے گئے۔ دریں اثناء حضرت جی پر دوبارہ دل کی بیماری کا حملہ اور سانس کی تکلیف شروع ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نماز پڑھاؤ اور مختصر پڑھاؤ۔ مولانا انعام الحسن نے نماز پڑھائی۔ حضرت جی ہسپتال جانے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے کہ وہاں عورتیں (نرسیں) وغیرہ ہوں گی۔ لیکن مفتی زین العابدین کے عرض کرنے پر کہ عورتیں نہیں ہوں گی' ہم پہلے چل کر اس کا انتظام کر لیں گے' حضرت جی ہسپتال جانے پر آمادہ ہو گئے۔ اس دوران ہی حضرت جی نے بلند آواز سے فرمایا: **لا الٰہ الا اللّٰہ، الحمد للّٰہ الذی انجز وعدہ، لا الہ الا اللّٰہ محمدٌ رسول اللّٰہ، اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر، الحمد للّٰہ الذی انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ، لا شیء قبلہ ولا بعدہ، لا شیء قبلہ ولا بعدہ، لا شیء قبلہ ولا بعدہ**۔ کار میں سوار ہونے سے پہلے ہی حضرت جی کی سانس اکھڑنی شروع ہو گئی اور آپ نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ گڑھی شاہو ریلوے پل پر جب گاڑی پہنچی تو حضرت جی نے صبح وشام کی دعائیں پڑھتے ہوئے پوچھا کہ تمہارا ہسپتال کتنی دور ہے؟ قریشی صاحب نے جواب دیا کہ حضرت تقریباً دو فرلانگ۔ اس پر آپ نے فرمایا: اچھا پھر ہم تو چلے۔ یہ آخری جملہ تھا جو احباب نے سنا۔ اس کے بعد زبان کام کرنے (بولنے) سے قاصر ہو گئی۔ آنکھوں میں تغیر آ گیا اور صرف ہونٹ ہلتے رہے' گویا کہ آپ دعائیں پڑھ رہے ہیں۔ مولانا انعام الحسن نے سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کر دی۔ چند ہی لمحوں بعد حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کلمہ پڑھتے ہوئے اپنی جان خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کر دی۔ یہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۶۵ء' دن جمعۃ المبارک اور وقت ۲ بج کر ۵۰ منٹ تھا۔

مولانا انعام الحسن نے اب واپس بلال پارک چلنے کو کہا لیکن ساتھی ہسپتال لے گئے۔ وہاں ڈاکٹروں نے حرکت قلب جاری کرنے کے لیے خوب آکسیجن دی' آخر کار مایوسی کا اظہار کر دیا۔ مولانا انعام الحسن کی زبان سے نکلا: **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ○ اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا**۔ حضرت جی کے جسد مبارک کو واپس بلال پارک لایا گیا۔ تجہیز و تکفین کی تیاری ہوئی' اور رات نو بجے کے بعد مولانا انعام الحسن نے حضرت جی کی

نماز جنازہ پڑھائی۔ کافی حضرات دور دور سے اس کے بعد پہنچے تو ایک دوسری نماز جنازہ ساڑھے دس بجے مولانا عبدالعزیز گمتھلوی (جانشین حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ) کی اقتدا میں ہوئی۔ ایک چارٹر طیارے میں حضرت جی کے جسد مبارک کو مع قریبی رفقاء کے ڈیڑھ بجے دہلی لے جایا گیا۔ ۳ بجے پرواز پالم (دہلی) کے ہوائی اڈے پر اتری اور ساڑھے تین بجے میت نظام الدین پہنچی۔ قرب و جوار سے لوگ اور رہنما آ رہے تھے۔ بروز ہفتہ دس بجے حضرت شیخ الحدیثؒ نے آخری نماز جنازہ پڑھائی اور تقریباً ۱۱ بجے حضرت جی کو اپنے والد مولانا محمد الیاسؒ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ شرکاء کا اندازہ کم و بیش ستر ہزار کا تھا۔ حضرت جی کی فوتیدگی کے بعد مولانا انعام الحسن کاندھلوی کو تبلیغی جماعت کا مرکزی امیر اور آپ کا جانشین مقرر کیا گیا۔

ادا کر کے قرض اپنی خدمات کا
سحر دم وہ جاگا ہوا رات کا
عدم کے نگر کو روانہ ہوا
مکمل سفر کا فسانہ ہوا

(جاری ہے)

صاحبِ تدبّرِ قرآن کے بارے میں ایک اہم اعلان

برصغیر کے ممتاز مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے حالاتِ زندگی قلم بند کرنے کا ارادہ ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ مولانا کے دوستوں' شاگردوں اور دیگر اصحاب سے تعاون کی درخواست ہے۔ اس سلسلے میں مولانا اصلاحیؒ سے متعلق کسی صاحب کے پاس کوئی مصدقہ تحریر' تراشہ' تصویر یا ایسی اہم یادداشت موجود ہو جو ان کی قرآنی خدمات کو واضح کرنے والی ہو' تو بذریعہ فون' ای میل یا ایس ایم ایس رابطہ فرمائیں' تاکہ میٹریل حاصل کیا جا سکے۔

(۱) میٹریل کی نقل مختلف ذرائع ترسیل سے بھجوائی جا سکتی ہے۔
(۲) میٹریل کے حصول اور لوٹانے میں اخراجات راقم ادا کرے گا۔

ڈاکٹر صاحبزادہ انوار احمد بگوی

چیف ایگزیکٹو منصورہ ہسپتال' پیرامیڈیکل انسٹیٹیوٹ لاہور' نمبر دفتر: 35252372 (042)
موبائل نمبر: Whatsapp/03004754769 ای میل: drbugvi@hotmail.com

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی!

مدیر ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' لاہور

ایوب بیگ مرزا

کے مدبرانہ' حکیمانہ' ناصحانہ' اداریوں کا حسین مرقع

بعنوان: **''حق گوئی''** شائع ہوگیا ہے

جس کے مطالعے سے عالمی اور ملکی حالات پر بصارت ہی نہیں'
بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے —— اور
عمل کے لیے ایک جذبۂ محرکہ بھی پیدا ہوتا ہے

☆

404 صفحات ❁ عمدہ پرنٹنگ ❁ امپورٹڈ بک پیپر
❁ دیدہ زیب نفیس ٹائٹل

خود پڑھیں
دوسروں کو تحفہ
میں دیجیے!

قیمت صرف: **300** روپے

شائع کردہ: **مکتبہ خدام القرآن لاہور**
36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ فون: 3-35869501
email : maktaba@tanzeem.org
website **www.tanzeem.org**